ماہنامہ

دلیل راہ

لاہور

نومبر 2009ء - ذی القعدہ 1430ھ

قوم کا اعتماد، دعا اور پشت پناہی طاقت کا اصل راز ہے۔ اس وقت مسلمان حکومتوں میں حاکم اور محکوم دونوں کی حیثیتیں اپنی اپنی ہیں۔ اخلاقی اور روحانی حمایت کی طاقت سے اسلامی قومیں محروم ہو چکی ہیں۔ اس کا اہتمام کون کرے؟ ہمیں دو محاذوں سے مدد حاصل کرنے کے لیے کوشش اور قدم اٹھانے سے زیادہ دینی قوتوں اور جماعتوں کو بروئے کار لانے کی سعی کرنی چاہیے۔ بدقسمتی سے ہم لوگ، فاسد نظریات، انتہا پسندانہ تحریکات، جاہلانہ اقدامات اسکی کوتاہیوں کا شکار ہیں۔ قوموں کو لڑانے کے لیے ان کے اداروں میں اور معیشت میں تحریک پیدا کرنی پڑتی ہے۔

مسند نشینِ عالمِ امکاں تمہی تو ہو

مسند نشین عالمِ امکاں تمہیؐ تو ہو
اس انجمن کی شمعِ فروزاں تمہیؐ تو ہو

صبحِ ازل سے شامِ ابد تک ہے جس کا نور
وہ جلوہ رازِ حسنِ درخشاں تمہیؐ تو ہو

دنیائے ہست و بود کی زینت تمہیؐ سے ہے
دونوں جہاں کے والی و سلطاں تمہیؐ تو ہو

تم کیا ملے کہ دولتِ ایماں ملی ہمیں
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایماں تمہیؐ تو ہو

دنیا و آخرت کا سہارا تمہاری ذات
دونوں جہاں کے والی و سلطاں تمہیؐ تو ہو

اختر کو بے نوائی دنیا کی فکر کیا
ساماں طرازِ بے سروساماں تمہیؐ تو ہو

اختر شیرازی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دشمنِ جان دشمنِ جان ہی سہی

خاکدان ہستی نئے فتنوں اور پریشان کن احوال سے دوچار ہے۔ اضطرابات کے بے جہت طوفانوں نے ہر مسلمان کے عقیدہ و عمل میں جنبش پیدا کرنا شروع کر دی ہے۔ افکار کے ہجوم نے گوشۂ دل میں تحرک پیدا کیا ہے کہ مسلمانوں کا اصل جرم کیا ہے؟ انہیں ختم کرنے کی کوششیں کیوں کی جا رہی ہیں؟ مغرب سے بھڑکائی جانے والی نفرتوں کی آتش سموم اپنے شعلے مسلمان ممالک کی طرف تسلسل سے دھکیل رہی ہے۔ ایسے حالات میں خودی، عقیدت، حمیت سے جینے کے لیے بہر حال ہمیں سب سے پہلے اپنی فکری اور ایمانی زندگی مضبوط کرنی ہوگی۔ ملت اسلامیہ کا ایک خاص رنگ، طرز عمل اور پہچان ہے، ہمیں اپنا وہ تفرد ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ مسلمان لوگوں کا محض ایک گروہ، ہجوم اور جمگھٹا نہیں جسے زندگی کی ضرورتوں، مفادات، اغراض اور مادی آرزوں نے یکجا کر دیا ہو۔ اسلام انبیاء علیہم السلام کا ورثہ ہے یہ اشرف الانبیاء ﷺ کی دعوات حق کا رنگ ہے۔ انسانیت کو جو لباس قرآن اور رسول اللہ ﷺ نے پہنایا ہے اسی سے انسانی قدریں پر بہار ہیں۔ مسلمانوں کو معذرت خواہانہ انداز ترک کر کے حقائق کی حفاظت اور نگہبانی کے لئے ڈٹ جانا چاہیے۔ دوسروں کی بیساکھیاں بوسیدہ ہو چکی ہیں ہمیں اپنی ٹانگوں پر چلنا ہوگا۔ ہنود اور یہود، مشرکین اور ملحدین سب اسلامی تہذیب کو کمزور کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات پھیلانے کے لئے مغربی استعمار کو مسلمانوں کے اندر سے وکیل مل چکے ہیں گویا ہماری زبانیں ہمارے اپنے ہی دانتوں کی نیچے کچی جا رہی ہیں۔ امت مسلمہ کو اپنی ذمہ داریاں قرآن مجید کی اس آیت سے سمجھنی چاہئیں۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ (الحج:78)

"اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اسی نے تم کو مقام رفیع سے نوازا اور دین میں تم پر اس نے کچھ تنگی نہ رکھی، یہ تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے پہلی کتابوں میں اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول اعظم کی تم پر گواہی گذرے اور تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ"۔

آج کفر اپنا پورا زور مسلمانوں کو دبانے کے لیے لگا رہا ہے لیکن مسلمانوں کو اپنے علمی، عقادی، روحانی اور معاشرتی ذمہ داریوں سے ابا نہیں کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو حضور ﷺ کی یہ حدیث ہمیشہ زیر نظر رکھنی چاہیے۔

''میری امت کے کچھ لوگ ہمیشہ حق پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا''۔

حضور ﷺ کا ارشاد بتاتا ہے کہ کافروں کے ڈرانے دھمکانے سے حق کا چراغ بجھایا نہیں جا سکتا۔ شومئی قسمت کہ علمی حلقوں کو مرعوب اور مرہوب بنانے کے لئے اقدار عالیہ کے عالمگیر مشن کے فروغ کے خلاف تگ وتاز اور جہد جہاد کی رفتار سست کرنے کے لئے مسلمانوں کو فضول مشغولات میں مبتلا کرنے کی سعی ہو رہی ہے، لیکن ہم سب کو قرآن حکیم کے یہ اقتباسات یاد رکھنے چاہئیں:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (الصف: ۸۔۱۱)

''لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں جبکہ اللہ اپنے نور کو پورا فرمانے والا ہے کیوں نہ کافر لوگ اس کو ناپسند رکھتے ہوں۔ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدی اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے تمام ادیان پر غلبہ بخش دے، کیوں نہ اسے مشرک برا جانتے ہوں۔ اے ایمان والو! کیا تمہیں ایسی تجارت نہ بتا دو جو دردناک عذاب سے تمہیں نجات دے دے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر جو تم سے لڑے اس سے لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوروں کے ساتھ تمہارے لئے بہتر یہی ہے''۔

ایک معمولی سوجھ رکھنے والا مسلمان بھی محسوس کرے گا کہ خریدے ہوئے مفکرین اور قائدین مسلمہ افکار کے خلاف تشکیک پیدا کرنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُم مُّقْتَرِفُونَ ۝

(سورہ الانعام: ۱۱۲، ۱۱۳)

''اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے سرکشی کرنے والوں کو ہر نبی کے لئے دشمن بنا دیا ان کے بعض بعضوں کی طرف بڑی آراستہ پیراستہ اور فریب زدہ باتیں تیزی سے پہنچاتے رہتے ہیں اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے تو چھوڑ دیں انہیں اور اسے جو بہتان باندھتے رہتے ہیں اور تاکہ مائل رہیں ان لوگوں کے دل اُسی فریب کی طرف جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تاکہ وہ اسی پر خوش رہیں اور گناہوں میں منہمک رہیں جن کا ارتکاب وہ کرنے والے ہیں''۔

زوال کے اس گھمبیر دور میں مسلمان حکمرانوں کو اپنے محکوم بھائیوں سے فرضی بنائے گئے فاصلوں کو ختم کرنا چاہیئے اور حسن سلوک، محبت، اخوت اور ہمدردی کو فروغ دے کر متحد الفکر اور متحد الحرکت بنانے کی سعی کرنی چاہیئے۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم میں اچھے حکمران وہی ہیں جن سے تم محبت رکھو اور وہ تم سے محبت کریں اور جن کے لئے تم بھی دعا کرو وہ تمہارے لئے دعا کریں''۔

رعایا میں اعتماد، محبت اور جذبہ پیدا کئے بغیر کوئی آپریشن کامیاب نہیں ہوسکتا۔

حضرت نعمان ؓ ارشاد فرماتے ہیں:

میں نے حضور ﷺ کی معیت میں متعدد غزوات میں حصہ لیا، جب تک طلوع فجر نہ ہوتی حضور ﷺ جنگ سے رکے رہتے۔ آپ دن چڑھنے کے بعد جنگ فرماتے، پھر دوپہر ہوتی تو آپ رک جاتے، سورج ڈھل جاتا تو عصر تک جنگ فرماتے، نماز ادا فرماتے اور ارشاد ہوتا" ان اوقات میں مدد اور نصرت کی ہوائیں چلتی ہیں۔ ایمان والے اپنے لشکروں کے لئے دعا مانگتے ہیں"۔

قوم کا اعتماد، دعا اور پشت پناہی طاقت کا اصل راز ہے۔ اس وقت مسلمان حکومتوں میں حاکم اور محکوم دونوں کی جہتیں اپنی اپنی ہیں۔ اخلاقی اور روحانی حمایت کی طاقت سے اسلامی فوجیں محروم ہوچکی ہیں۔ اس کا اہتمام کون کرے؟ ہمیں دوسروں سے مدد حاصل کرنے کے لئے محنت اور ذلت اٹھانے سے زیادہ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی سعی کرنی چاہیئے۔ بدقسمتی سے ہم لوگ فاسد تاویلات، احمقانہ تطبیقات، فاسقانہ اقدامات ایسی کوتاہیوں کا شکار ہیں۔ قوموں کو لڑانے کے لئے ان کے ارادے اور ہمت میں حرکت پیدا کرنی پڑتی ہے۔ ہمارے سربراہ اس اسلحہ سے محروم بھی ہیں اور کوتاہی میں تقدس بھی تصور کئے ہوئے ہیں اور مظہر جان جاناں کے بقول حالت یہ بن چکی ہے کہ

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل بچا ہے

ایک غلطی کی اصلاح ہونی چاہیئے کہ قرآن موت بانٹنے والوں سے حیات اور زندگی کا اہتمام کرنے والوں کو زیادہ اہم سمجھتا ہے، اس لئے کہا گیا کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں زندگی دیتے ہیں۔ وہ لوگ جو کسی کی زندگی بچانے کے لئے خود موت کے تنور میں گھس جائیں سب سے بڑے بہادر وہی ہوتے ہیں۔ وہ کمانڈوز جنہوں نے جی ایچ کیو کے سامنے دوسروں کو بچانے کے لئے موت کا کھیل کھیلا ہے۔ عسکری قیادت کو سخاوت سے نشان حیدر بانٹنے چاہئیں۔ ان نشانات کو پتلون کی جیب میں رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اگر آج قدر افزائی نہیں ہوگی تو کل کون قربانی دے گا۔

مسلمانوں کو ذلت اور تذلیل کے مکروہ پنجوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات فراموش کرنے ہوں گے۔ چھوٹوں اور بڑوں، کمزوروں اور طاقت وروں، حاکموں اور محکوموں اور مالداروں اور غریبوں سب ہی کو باہم مربوط ہونا ہوگا۔ "مومن بھائی بھائی ہیں" کے خاکے میں رنگ بھرنا ہوگا۔ دور حاضر کے تمام مسائل سے ہم "اخوت" کے وسیلہ سے نمٹ سکتے ہیں۔

اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (آل عمران ۱۰۳)

"اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں بکھر نہ پڑو اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم سب اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم تو آگ کے ایک گڑھے کے کنارے تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ تم ہدایت پر قائم رہو"

ایک بات برملا کہنا چاہوں گا بے شک کوئی دشمن جاں ہی کیوں نہ بن جائے۔

"دشمن جان دشمن جاں ہی سہی"

نہیں دین سیاست دانوں، فوجیوں، تاجروں اور صحافیوں سے نہیں سیکھنا چاہیئے۔
مغربی غباروں سے سوراخ کر کے مصنوعی ہوا کھانے والے ہمارے دینی استاد نہیں ہو سکتے۔ کیری، لوگر، پیٹر اور ڈانو سے ہم فلسفہ دین نہیں سمجھنا چاہتے۔

ہمارے فہم، عقیدہ اور تہذیب کے سرچشمے قرآن وسنت ہیں اور یہ شفاف سرچشمے ہی ہمارے لئے کافی ہیں۔

ہمارے لئے درویشوں اور فقیروں کی صحبت کافی ہے۔

ہماری توانائیوں کا راز اللہ پر اعتماد اور توکل ہے۔

ہم اپنے جملہ امور کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جولانگاہ حیات میں کامیابیوں کا راز دین مصطفیٰ ہے۔

اللہ ہمارا مرجع ومآب اسی پاک نام کو بنائے رکھے۔

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید فرقان حمید کی تفسیر "تبصرہ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ بلد کی تفسیر پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا
الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا
الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ؕ﴿۴﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ
اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ﴿۶﴾ اَيَحْسَبُ
اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ؕ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ﴿۸﴾
وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ﴿۱۰﴾
فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۚ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ؕ﴿۱۲﴾
فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۙ﴿۱۴﴾
يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ؕ﴿۱۶﴾ ثُمَّ
كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ
تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ؕ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ؕ﴿۱۸﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ؕ﴿۱۹﴾
عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

مجھے قسم ہے اس شہر کی (۱) کہ آپ اس شہر خاص میں جلوہ افروز ہیں (۲) قسم والد کی اور اس کی اولاد کی (۳) بے شک ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا ہے (۴) کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا؟ (۵) کہتا ہے میں نے بہت سا مال ڈھیر کر کے رکھ دیا ہے (۶) کیا وہ سمجھتا ہے کہ اُسے کسی نے نہیں دیکھا (۷) کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں (۸) اور زبان اور دو ہونٹ (۹) اور ہم نے اس کی رہنمائی کی بھلائی اور بُرائی کی دونوں راہوں کی (۱۰) پھر وہ شخص اہم گھاٹی سے اُوپر نہیں گیا (۱۱) اور آپ تو خوب جانتے ہیں کہ وہ گھاٹی کیا ہے (۱۲) گردن چھڑانا (۱۳) یا بھوک والے دن کھانا کھلانا (۱۴) کسی رشتہ دار یتیم کو (۱۵) یا کسی خاک نشین مسکین کو (۱۶) پھر ان میں سے جو ایمان لائے اور آپس میں انہوں نے صبر کی تلقین کی اور آپس میں رحم کرنے کی وصیتیں کیں (۱۷) یہی لوگ "اصحاب المیمنہ" ہیں (۱۸) اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کر دیا وہ بد بخت لوگ ہیں (۱۹) ان پر آگ کا حصار قائم ہے (۲۰)

ہدایت، محنت اور منزل نوازی کا یہ مختصر نامہ شہر امن کے مکین پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ صحیفہ نور کی یہ شمع فروزاں ایک رکوع اور بیس آیتوں پر مشتمل ہے۔

سورہ بلد کے لمحات لطیفہ پر مشتمل مضامین حسن مکاں کی نشان دہی کرتے ہوئے شہر نور مکہ میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں شہر معظم کی عظمتوں، رفعتوں اور طہارتوں کو چھوتے ہوئے حسن شخصیت کا صحیفہ رحمت بن جاتے ہیں۔ قاری قرآن ایک قسم کی ساعت سے دوچار ہوتا ہے۔ یہ عظیم قسم شہر کی رونق اور روحانیت کا راز بتاتی ہے کہ اس میں حضور انور ﷺ رہ رہے ہیں۔

سورہ بلد مکہ کے ذی شان مکین کی سیرت کو موضوع کائنات بنانے کے بعد مرحلہ در مرحلہ انسانی زندگی کی تگ و دو کا فلسفہ بیان کرتی ہے اور ہولے ہولے ایک شفیق معلم اور مرشد کی طرح اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں قاری قرآن کے سامنے رکھ دیتی ہے تاکہ انسانی زندگی سے نا سپاسی اور ناشکری ختم ہو جائے۔ مطالعہ سورت کا یہ روحانی مرحلہ ایمان ساز بن کر ابھرتا ہے جب قرآن حکیم پڑھنے والا دو راستوں کو اپنے سامنے واضح محسوس کرتا ہے اور مرشد مزکی اسے سمجھاتا ہے کہ آنکھ کھول کر دیکھو۔ بھٹک جانے کے خطرات سے آگاہ کر دینے والی تنبیہات کو کان کھول کر سنو اگر تم کچھ سمجھتے جانتے نہیں تو زندگی کے خالق نے تمہیں زبان دی ہے اسے استعمال میں لاؤ اور اصحاب تذکیر سے صراط مستقیم کے نشانات تک رسائی حاصل کرو۔ اصحاب ہدایت سے روگردانی زندگی کو مشکل گھاٹی بنا دیتی ہے۔ پھر انسان اپنی صلاحیتوں کو منزل صدق تک پہنچنے کے لئے کام میں نہیں لاتا۔ اس کی روح کا طائر بلند پرواز اخلاقی پستی کی دلدل میں اپنی منقار الجھا بیٹھتا ہے۔ پھر نقصان یہ ہوتا ہے کہ اخلاق حسنہ اور اعمال حسنہ کا صدور ناممکن بن جاتا ہے۔

سورہ بلد کے مطالعہ سے جن مضامین کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے ان کی ترتیب یہ ہے:

(ا) انسان جس جگہ رہتا ہے اسے حسین بنانے کے لئے معیار شہر نور مکہ ہے۔ اس کی فضیلتوں کا مطالعہ بلدیات کے معنوی حسن سے آگاہ کرتا ہے۔

(ب) شہروں میں رہنے والے لوگ کس کردار کے مالک ہونے چاہئیں، یہ سورت دوٹوک انداز میں رحمت عالم ﷺ کی سکونت کا حوالہ دے دیتی ہے۔

(ج) سورہ بلد نے والد اور مولود کی قسم کر کے "آبادیوں" کو زیر نظر رکھنے کی اہمیت بتائی ہے اور شہریوں میں کردار سازی کا بڑا خوبصورت دستور عطا فرمایا ہے۔

(د) منزل رسائی کے لئے محنت اور مشقت بنیادی ذرائع اور وسائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(ہ) ہر انسان کا شعور اس وقت معراج حاصل کرتا ہے جب اسے سیدھے راستے اور ٹیڑھے راستے کی پہچان حاصل ہو جاتی ہے۔

(و) آنکھیں، زبان اور ہونٹ اللہ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں ان سے صراط مستقیم کی پہچان حاصل کرنے کے لئے مدد حاصل کرنی چاہئے۔

(ز) خاک نشینوں، یتیموں اور قحط سالی میں ضرورت مندوں کو کھانا کھلانا اور انسانوں کے لئے آزادی کی نعمت فراہم کرنا بہترین اخلاق ہیں۔

(خ) لوگ دو قسم کے ہیں دائیں ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے۔ بائیں ہاتھ والے تو دوزخی ہیں، دائیں ہاتھ والوں کی خصوصیات اپنانی چاہئیں اور وہ ایمان، صبر اور قیام رحمت ہیں۔

اس سورہ عظیمہ کی رفیع الدرجت آیات بڑی قاطع، دل میں اترنے والی اور انسان سازی میں موثر ہیں، ان کا بار بار مطالعہ ہونا چاہئے۔ سورت کے زوردار بیانات لاہوت تک کی طاقت پرواز دینے کے لئے سریع نظر آتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

امام طبرانی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس سورت کے پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے غضب سے مامون فرمائے گا۔ (التفسیر الکبیر: امام طبرانی تحقیق ہشام بردانہ)

لَآ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ

"مجھے قسم ہے اس شہر کی"

آیت میں "لا" زائدہ ہے اور بلد سے مراد "مکۃ المکرمہ" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظمہ کے اجلال اور تعظیم کی وجہ سے اس شہر کی قسم کی ہے۔ لا اگر زائدہ نہ ہو تو پھر ایک دوسرا مفہوم بنتا ہے جس کی توضیح اگلی آیت کی تفسیر میں کی جائے گی۔

یہ بات آیت کے مفہوم سے حقیقت باہرہ بن کر ابھرتی ہے کہ مکہ معظمہ چونکہ وہ عظیم شہر ہے جس میں عبادت کا پہلا مرکز بنا، عظیم پیغمبروں نے کعبہ کا طواف کیا۔ تفسیر کے اس دقوی مفہوم پر تقریباً مفسرین کا اجماع ہے۔ (تفسیر الکبیر: امام طبرانی ایضاً تفسیر الکبیر: رازی ایضاً

البحر المحیط: ابوحیان اندلسی ایضاً البحر المدید: ابن عجیبہ ایضاً تفسیر القرآن العظیم: ابن کثیر ایضاً تفسیر البیضاوی: امام بیضاوی)

وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲

''کہ آپ اس شہر خاص میں جلوہ افروز ہیں''

اس آیت میں سرزمین مکہ کی فضیلت کا اعظم حوالہ دیا گیا اور اس میں شک بھی نہیں کہ علاقوں کی قدر و قیمت ان میں رہنے والے لوگوں کے مقام و مرتبہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اللہ رب العلمین نے حرم المبارک کی فضیلت کا حوالہ دیا لیکن اس کی نسبت حبیب مکرم ﷺ کے وجود قدس سے قائم فرمائی اور پوری وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو قرآنی حروف میں جلوہ گر کر دیا کہ بلد معظم کی قسم اس لیے نہیں کی جا رہی کہ یہ بڑے بڑے رئیسوں کا شہر ہے، محبوب اس کی قسم اس لئے کر رہا ہوں کہ تو اس میں مقیم ہے۔
(تفسیر کبیر: امام طبرانی ایضاً تفسیر کبیر: رازی ایضاً البحر المحیط: ابوحیان اندلسی ایضاً البحر المدید: ابن عجیبہ: ایضاً تفسیر القرآن العظیم: ابن کثیر ایضاً تفسیر البیضاوی: امام بیضاوی۔)

مفسرین نے اس فقرے کا یہ مفہوم بھی نقل کیا کہ اے محبوب اس شہر میں امن کا عالم یہ ہے کہ پرندے تک محفوظ اور مامون ہیں لیکن ان لوگوں کی سنگ دلی کہ تجھے اذیت پہنچانا انہوں نے روا سمجھ رکھا ہے (حاشیہ شہاب: علامہ خفاجی ایضاً تفسیر رازی: فخر الدین رازی) اور مفہوم کی یہ تفسیری جہت کفار قریش کی سرزنش ہے کہ وہ لوگ اگر اپنے باپ کے قاتل کو بھی حرم میں پا لیتے تو سے امان دے دیتے لیکن رحمت عالم ﷺ کے لئے انہوں نے حرم کے امن، تقدس کی تاریخ کو روند ڈالا اس پر ان کی توبیخ کی گئی۔

اور ایک معنی یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ حرم شریف میں کسی کے لئے منافی امن کوئی کام جائز نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے لئے فتح مکہ کے موقع پر معاندین کے قتل روا کر دیا۔ یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی (زاد المسیر: ابن جوزی) حسن بصری ؒ ورعطا بن ابی رباح نے یہ بھی لکھا کہ اس شہر میں بغیر احرام کے داخل نہیں ہو سکتے لیکن حضور انور ﷺ کے لئے فتح والے سال بغیر احرام کے داخل ہونا حلال کر دیا گیا۔ (زاد المسیر: ابن جوزی)

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝۳

''قسم والد کی اور اس کی اولاد کی''

اللہ رب العالمین نے والد اور پیدا ہونے والے مولود کی قسم کی۔ اس سے مراد کون لوگ ہیں۔

امام فخر الدین رازی نے لکھا کہ والد سے مراد آدم ہیں اور مولود سے مراد آپ کی تمام ذریت اور اولاد ہے، اس لئے کہ زمین پر ورطہ حیرت میں مبتلا کر دینے والی اللہ کی یہی مخلوق ہے۔ بیان اور نطق کا تفرد، تدبیر اور فراست کے نشانات، علوم اور معارف کا سرچشمہ اور انبیاء وصالحین کا وجود کرامت انسانی کے اعظم دلائل ہیں۔ اللہ رب العلمین نے کاروان آدمیت کے اسی حسن کو دیکھ کر والد اور مولود کی قسم کی۔
(تفسیر کبیر: فخر رازی ایضاً روح المعانی: آلوسی ایضاً زاد المسیر: ابن جوزی ایضاً الوسیط: نیشاپوری)

علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں (روح المعانی: آلوسی)

یہاں اللہ تعالیٰ نے آدم اور ان کی صالح اولاد کی قسم کی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں نوح اور ان کی اولاد مراد ہے اور زبردست بات یہ ہے کہ علامہ آلوسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ والد سے مراد ابراہیم اور ما ولد سے مراد اسماعیل علیہ السلام اور نبی معظم ﷺ کی ذات ہے۔ یہ بات اس لئے بھی قابل توجہ ہے کہ مکہ ابراہیم علیہ السلام کا حرم تھا اور اسماعیل علیہ السلام کی تو یہاں نشو و نما ہوئی اور رحمت عالم ﷺ کی یہاں ولادت ہوئی گویا یہ قسم بھی تاریخ اصلاح کے لمحہ بہ لمحہ ارتقاء کی طرف پر شکوہ اشارہ ہے۔

زاد المسیر نے یہ امکان بھی لکھا کہ والد اور مولود سے مراد ہر باپ اور بیٹا ہے۔ اسوہ رسولا کا حوالہ دینے کے بعد اس معنی و مفہوم کی منطق نظر آتی ہے کہ مخلوق کی اصلاح کے لئے ہر پیدا کرنے اور پیدا ہونے والے کو رشد و ہدایت کا روشن نشان بتایا گیا ہو کہ جس نے کعبہ کو رونقیں دیں وہی تمہارے لئے نفوس کا تزکیہ کرنے کے لئے سرچشمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ (زاد المسیر: ابن جوزی)

ماوردی اور طبری نے لکھا کہ ''والد'' سے مراد خود حضور ﷺ اور ''ما ولد'' سے مراد آپ کی اُمت ہے (تفسیر طبری: امام طبری ایضاً تفسیر ماوردی: علامہ ماوردی ایضاً روح المعانی: آلوسی) یہ اس لئے کہ رحمت عالم ﷺ نے خود ارشاد فرمایا میں تمہارے لئے والد کے مقام پر ہوں اور یہ بھی کہ آپ کی ازواج مطہرات کو امت کی مائیں کہا گیا ہے۔ اس لئے والد سے مراد حضور ﷺ اور مولود سے مراد اُمت کا ہر فرد لیا جا سکتا ہے۔ طبری اور ماوردی کے اس بیان کے بعد کیا یہ عجیب تر نہ ہوگا کہ والد سے حضور ﷺ مراد لے کر امت ساری تو اولاد میں گنی جائے اور

سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا اسم گرامی اور حسن اور حسینؓ کا نام نہ لیا جائے۔ انصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ امت اگر اولاد کے مقام پر آسکتی ہے تو اولاد تو پھر بدرجہ اولیٰ 'ما ولد'' کے مفہوم میں شامل ہوگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف یہ بھی منسوب کیا گیا ہے کہ والد سے مراد عقلاء کی افزائش نسل کی طرف اشارہ ہے اور "ما ولد" کی ترکیب سے غیر عقلاء کے تناسل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور کبریائی کی گویا قسم کی اور کائنات کی ہر تخلیق کا فکری مرجع حضور ﷺ کی ذات کو قرار دیا گیا۔ (روح المعانی: آلوسی ایضاً مواہب الرحمٰن: امیر علی) واللہ اعلم۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿٤﴾

''بے شک ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا ہے''

''کبد'' یا کبد کا معنی کیا ہے؟ اس سوال کا جواب ہم راغب اصفہانی کی مدد سے حاصل کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں عربی زبان میں دردجگر کے لئے کبد لفظ استعمال ہوتا ہے۔ وضعاً اگرچہ اس لفظ کا معنی یہی ہے لیکن استعمال کے لحاظ سے ہر قسم کی مشقت، تکلیف، مصیبت اور درد کو کبد کہہ دیتے ہیں (المفردات: راغب اصفہانی ایضاً لسان العرب: ابن منظور ایضاً تاج: زبیدی حنفی)۔ ابن فارس لکھتے ہیں کہ کسی چیز میں شدت اور سختی یا قوت اور طاقت کے لئے کبود لفظ استعمال ہوجاتا ہے۔

ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ اس فقرے کا مفہوم یہ ہے کہ انسانی ذات کی نشوونما سختیوں اور مشکلوں کے تصادم اور تزاحم میں ہوتی ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے وہ جوہر تخلیق بخشا کہ وہ ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ (فی ظلال القرآن: سید قطب ایضاً مفاتیح الغیب: رازی)

انسانی مشقتوں، تکلیفوں اور دقتوں کی کہانی رحم مادر سے شروع ہوتی ہے۔ رحم کے اندر ایک خلیہ قرار پکڑنے کے بعد جہد کا آغاز ہوجاتا ہے۔ شکم میں ایک معمولی خلیے کو پروان چڑھانے کے لئے غذا کا حصول، پھر بچہ جب جنم لیتا ہے تو ماں درد زہ محسوس کرتی ہے اور مولود خود بھی تکلیفوں میں پیدا ہوتا ہے۔ پیدائش کے بعد نظام تنفس اور نظام ہضم بچے کے لئے طرح طرح کی تکلیفوں کا سبب بنتے ہیں، دانت نکالتے ہوئے بخار اور حرارت۔ کھڑے ہوتے وقت کبھی گرنا اور کبھی اٹھنا، اس کے بعد جوانی اور بڑھاپے کے مرحلے، دکھوں دردوں کی ایک کہانی ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی جی ہو جسے تکلیفوں کا تجربہ نہ ہوتا ہو۔ گویا دنیا کی زندگی کا مزاج یہی ہے کہ انسان کو بہرحال تکلیفوں اور مشکلوں کے روبرو ہونا پڑتا ہے۔

کامیاب انسان وہ ہے جو یہاں دکھ اور مصیبتیں جھیل کر بروز محشر اس دائمی راحت کو پالے جسے ''حسن المآب'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور بد بخت وہ شخص ہے جو یہاں بھی تکلیفیں اٹھائے اور ابدی جہنم کی تختی تک جا پہنچے، یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ائمہ تفسیر کے حوالوں سے نقل کیا جاتا ہے (معالم التنزیل: فرا البغوی شافعی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

کبد سے مراد تھکن اور مشقت ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں:

کہ دنیا کے مصائب اور آخرت کے شدائد کبد ہے۔

قتادہ کہتے ہیں ایسی محنتیں جن کے نتائج صرف دنیا ہی میں برآمد ہوں۔

سعید بن جبیر کے نزدیک کبد شدت اور قوت کا دوسرا نام ہے۔

حضرت عطا بن ابی رباح کے نزدیک حمل، ولادت، رضاعت، دودھ چھڑانا، معاش، حیات اور موت کی تکلیفیں کبد ہیں۔

حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں:

دانت نکالتے ہوئے جو درد ہو وہ کبد ہے۔

یمان کا قول ہے

انسانی ضعف اور کمزوری کبود ہے۔

عکرمہ اور عطیہ کہتے ہیں اعتدال اور توازن کا نام کبد ہے۔

مقسم کے مطابق استقامت کبود ہے۔

مقاتل لکھتے ہیں کہ یہ آیت اسید بن کلدہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب وہ چمڑے کی بساط بچھاتا اور خود اس کے اوپر کھڑا ہو جاتا، پھر اعلان کرتا کون ہے جو اسے میرے قدموں سے کھینچ نکالے۔ کئی کئی آدمی کھینچتے لیکن چمڑا ٹوٹ جاتا لیکن اس شخص کے قدم جمے رہتے۔ جب وہ دین کے مزاحم ہوا اور اپنی طاقت کو بہت کچھ سمجھا اور بڑ ماری کہ مجھ پر کوئی قادر نہیں، اس پر ان آیات کا نزول ہوا۔ مقصد غرور توڑنا اور سعادتوں کے حصول کے لئے کمر ہمت باندھنا ہے۔

أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٥﴾

''کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا؟''

انسانی ذہن میں اگر یہ بات واضح ہو جائے کہ اس کے اوپر ایک ایسی قادر ذات ہے جو اس پر گرفت رکھتی ہے تو بہت سارے معمولات درست ہو سکتے ہیں۔ اعمال کا قبلہ ٹھیک جانب مڑ سکتا ہے اور فکری بے اعتدالیاں تناسب اور توازن کے مرحلے طے کر سکتی ہیں۔ قرآن مجید اس آیت میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ انسان کو کبھی اس گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں۔ خوف خدا رکھنے والا شخص زندگی کے مصائب ہوں یا راحتیں، اپنے معبود کی طرف سفر کو منقطع نہیں کرتا لیکن احتساب اور خدائی گرفت پر یقین نہ کرنے والا شخص غرور و تکبر کے گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہے اور وہ فسق و فجور میں اندھا دھند آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اسے خیال ہی نہیں گزرتا کہ کوئی اس پر قدرت بھی رکھتا ہے۔ وہ اپنی دولت اور ثروت ہی کو قاضی الحاجات جانتا ہے۔ اس کی من موجیاں اسے اس ظن باطل میں مبتلا رکھتی ہیں، اس نے آب حیات پی لیا ہے اس کی آرزوؤں، تمناؤں اور کرتوتوں کی قلمرو سے کوئی قریب بھی نہیں آسکتا۔ ایسے نہ ماننے والوں کو یہ آیت سمجھاتی ہے کہ ابھی وقت ہے ماننے والے بن جاؤ۔

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿٦﴾

''کہتا ہے میں نے بہت سا مال فنا کر کے رکھ دیا ہے''

خدا فراموش انسان جب ڈینگیں مارتا ہے، قرآن حکیم اس کا نقشہ کھینچتا ہے۔ میں نے یہ کمایا اور یہ خرچ کیا، شادیوں پر نمود و نمائش، عقیقوں پر لاکھوں روپے کا زیاں، کوٹھیاں اور محل تعمیر کرنے کی مسابقتیں، سواریاں دوڑانے پر کروڑوں روپے کا انصراف، زرق برق ضیافتیں اور فخر و مباہات سے لبریز معمولات، صرف یہ دکھانے کے لئے کہ میں نے کتنا مال جمع کیا ہے اور کیسے عیش و طرب میں اسے اڑا رہا ہوں۔

قرآن مجید نے ڈھیروں ڈھیر مال کے لئے تلبد کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ابن جوزی نے جیسے لکھا (زاد المسیر: ابن جوزی۔ تفسیر کبیر: رازی التحریر: ابن عاشور) کہ وہ لوگ حضور ﷺ کی عداوت میں مال خرچ کرتے اور پھر ڈینگیں مارتے۔ میں نے یہ کیا اور ایسے حضرت محمد ﷺ کو ستایا اور انہیں تکلیف دینے میں اتنا مال صرف کیا یا پھر کفارات میں جب مال کھپتا تو ان کے اندر بخل شور مچاتا ہمارا مال ضائع ہو رہا ہے۔ قرآن ان کی بوالعجبیوں پر گرفت کر کے قاری قرآن کو گویا پانچ چیزوں کی ہدایت دیتا ہے۔

(۱) ڈینگیں نہیں مارنی چاہئیں

(۲) مال دین کو نقصان پہنچانے میں نہیں کھپانا چاہئے

(۳) کفارات میں مال لگانا اصلاح نفس کے لئے ہوتا ہے انسان کو اصلاح ہی کی تحریص پیدا کرنا چاہئے۔

(۴) بخل کے محرکات ختم کرنے چاہئیں

(۵) زندگی کا مزاج سادہ رکھنا چاہئے۔ عیش و طرب کے رجحانات اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں۔

أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٧﴾

''کیا وہ سمجھتا ہے کہ اُسے کسی نے نہیں دیکھا''

مال جمع کر کے غلط راستوں میں کھپانا لگانا۔ دولت کے ذریعے اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا اور مال ہی کو قاضی الحاجات بنا لینا اور اس کے نشہ میں ہر وقت سرشار رہنا، شخصیت کے اندر جو کمزوریاں لاتا ہے ان میں سے ایک دل اور دماغ کا حقائق ہضم کرنے سے عاری ہونا اور صدق و امانت کے نور سے محروم ہونا اور مسلسل غفلت اور بے سمجھی میں ڈوبا رہنا ہوتا ہے۔ ایک اللہ والا شخص اپنی خلوت اور جلوت دونوں میں سوچتا رہتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ کسی اللہ والے کی نظر میں رہنے کا تصور بھی ایک کڑا احتساب ہوتا ہے۔ نازک، سریع اور لطیف احساسات ہی از نگاہِ مصطفےٰ ﷺ پنہاں مگیر کے جملے ایک اعلیٰ مفہوم اخذ کر سکتے ہیں۔ ان حقائق سے غافل شخص اس طرف آتا ہی نہیں کہ اس کی خلوت اور جلوت اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے دل سے ابھرنے والے احساسات، دماغ سے جنم

لینے والے خیالات اور روح سے اٹھنے والے جذبات اور آنکھ سے تحرک لینے والے مدرکات سے باخبر ہے۔ نہ اسے دھوکہ دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہ کسی سے دھوکہ کھاتا ہے۔

غافل انسان پر کتنی کڑی گرفت اس آیت میں قائم کی گئی ہے کہ یہ سوچتا ہی نہیں کہ اسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ انداز اور اسلوب میں استفہام ایک فکری تازیانہ بن کر غافل انسانوں کی روح میں بیداری لاتا ہے اور اگر اس آیت کا مصداق سیاق وسباق کے حوالے سے مال سے متعلق ہو تو اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کے علم میں ہے کون شخص کہاں سے اموال حاصل کرتا ہے اور اس کی کمائی میں حلال اور حرام کی کتنی آمیزش رکھی گئی ہے اور اموال کے استعمال کے مقاصد کیا ہیں؟

آیت دریا کی طرح بہتی ہے اور سمندر کی طرح اپنے خزانے باہر پھینک دیتی ہے۔ بارش کی طرح برستی ہے اور فصل بہاراں کی طرح دل اور دماغ میں اگتی ہے۔ قاری قرآن کے سامنے ایک چیز کھل جاتی ہے کہ کامیابیاں فکری سرچشموں ہی کا فیض ہوتی ہیں۔ ایک اچھا انسان وہی ہے جس کے عمل کی بنیاد قرآن اور انقلاب آفریں شعور ہے۔ یہ آیت تنہا نہیں ایک صف بستہ فوج کی طرح سورت کی باقی آیات کے ساتھ دل ودماغ اور روح کے اندر گھس کر شیطانی فوج کو تباہ وبرباد کر کے صاف ستھری زندگی کے انقلاب سے روشناس کرا دیتی ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ

''کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں''

تفسیر ابن کثیر میں ابن عساکر کی روایت سے حضور ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی نقل کیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں (تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی)

''اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھے بے حد نعمتیں عطا کی ہیں اتنی کہ تو انہیں گن نہیں سکتا، نہ ہی تجھ میں طاقت ہے کہ تو ان پر شکر ادا کر سکے۔ میری یہ نعمت کہ میں نے تجھے دیکھنے کے لئے دو آنکھیں دیں پھر میں نے ہی ان پر پلکوں کا پردہ چڑھایا پس ان دو آنکھوں سے حلال کردہ چیزوں کو دیکھ اور اگر حرام کی ہوئی چیزیں تیرے سامنے آئیں تو اپنی آنکھوں پر پلکوں کا غلاف ڈال دے اور میں نے تجھے زبان دی اور اس کو بھی منہ کے غلاف میں رکھا۔ میری رضا والی باتیں زبان سے ادا کر اور میری منع کی ہوئی باتوں سے منہ بند کر لے اور میں نے تجھے شرمگاہ دی اور اس کے لئے پردہ عطا کیا حلال جگہ بے شک تو اسے استعمال کر لیکن حرام جگہ تو اس پر پردہ ڈال دے۔

اے آدم کے بیٹے!

تو میری ناراضگی اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ ہی تو میرے عذابوں کو سہہ سکتا ہے''۔

آیت کریمہ آنکھ کے صحیح استعمال کے لئے دعوت کی حیثیت رکھتی ہے اور آیت کا عمود بھی یہی ہے کہ اللہ نے جو دو آنکھیں دی ہیں انہیں استعمال میں لایا جائے اور مظاہر کائنات میں غور وفکر کے لئے امعانِ نظر سے کام لیا جائے۔ آنکھ کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، ظاہر سے انسان کا بیرونی دنیا سے رابطہ استوار ہوتا ہے اور باطن سے روحانی سرچشموں سے فیض یاب ہونے کے مواقع ملتے ہیں۔ خوش بخت انسان کی زندگی میں اگر کوئی صاحب نظر اتر آئے تو اس کی تربیتی عطاؤں سے صاحب حال ہونے کی منزلیں طے کی جا سکتی ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آنکھ کی حیرت انگیز اللہ رب العلمین کی نعمت عظمیٰ ہیں۔ آنکھ کا خود کار نظام روشنیوں کو کم اور زیادہ کرنے کے لئے جب فعال ہوتا ہے تو دیکھی جانے والی چیزیں تناسب کے ساتھ عقل کے سینے میں اتر جاتی ہیں۔ ایک متوسط عمر پانے والا شخص اپنی آنکھوں میں کروڑوں تصویریں اتارتا ہے۔ صرف اتارتا ہی نہیں محفوظ بھی رکھتا ہے لیکن اللہ کا دیا ہوا یہ کیمرہ تھکتا نہیں، یہ اللہ کی نعمت نہیں تو اور کیا ہے؟ مضبوط ہڈیوں کے خول میں رکھا ہوا یہ حساس آلہ زندگی کی مصروفیتیں نبھانے میں کس قدر مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اس آلہ دید کو مرطوب رکھنے کے لئے آنکھوں کے اندر کناروں سے باریک رگوں کے ذریعے آنسو برآمد ہوتے ہیں جو آنکھ کی نگہداشت میں مدد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔

(تفسیر کبیر: رازی ایضاً روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً نمونہ: مفسرین کی جماعت مسیح البلاغہ: منسوب الاعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا ارشاد گرامی ہے:

''تعجب ہے انسان پر جو چربی کی دو گولیوں سے دیکھتا ہے اور گوشت کے ایک لوتھڑے کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔ ہڈی سے سنتا ہے اور ایک سوراخ سے سانس لیتا ہے''۔

مفہوم آیت کو اس بیان لطیف میں سمویا جا سکتا ہے آنکھ والا تیرے جلووں کا تماشا دیکھے دیدہ کور کو آئے کیا نظر کیا دیکھے۔ خلاصہ دعوت ہے کہ آنکھیں دی ہیں اے انسان ان نعمتوں پر شکر ادا کر اور انہیں منزل روحانی تک پہنچانے کا ذریعہ بنا لے۔

وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝

''اور زبان اور دو ہونٹ''

زبان اور ہونٹ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ یہ خدائی نعمت نہ صرف یہ کہ کھانا چبانے میں مدد دیتی ہے بلکہ کلام اور گفتگو کی اعجاز کاریاں اس کی آلہ کی محتاج ہیں۔ قرآن مجید نے یہاں زبان کی نعمت اس کے استعمال کے نقطہ نظر سے بیان کی ہے۔ یہ نوع انسانی کا تفرد بھی ہے اور تعلیم اور تعلم کا واحد ذریعہ بھی ہے۔ دنیا کی ہزاروں زبانیں اسی گوشت کے ٹکڑے کی مدد سے ایجاد ہوتی ہیں۔ خوش بخت انسان وہ ہے جو اس زبان کے ذریعے عقیدوں کا اظہار کرتا ہے، اللہ العلمین سے استغاثہ کرتا ہے، افکار صحیحہ کی تبلیغ کرتا ہے۔ اچھے لفظوں کی ادائیگی کے ساتھ دلوں کے زخموں کا علاج کرتا ہے اور بے خبری سے نکلنے کے لئے کاملین سے سوال کرتا ہے گویا اس آیہ کریمہ میں زبان کی نعمت کا شکر یہی بتایا گیا ہے کہ وہ خود تشکر کے کلمات ادا کر کے اپنے رب کو راضی کرے۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝

''اور ہم نے اس کی رہنمائی کی بھلائی اور برائی کی دونوں راہوں کی''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھلائی اور برائی دونوں کی راہ دکھلائی اور ہر ایک کے مضمرات واضح کر دیے۔ یہاں اس آیت میں دونوں کے لئے ''نجدین'' کا لفظ استعمال ہوا۔ زمین کے بلند اور سخت حصے کو نجد کہتے ہیں (تفسیر کبیر: رازی ایضاً تاج العروس: زبیدی ایضاً المفردات: راغب)۔ بعض اوقات ماہر رہنما اور تجربہ کار استاد کو بھی نجد کہہ دیتے ہیں۔ عرب کسی معاملے کے واضح ہو جانے کے لئے ''نجد الامر'' کی ترکیب لاتے ہیں۔

دکھلانے سے مراد کیا ہے؟

مفسرین نے لکھا وحی کے ساتھ حق اور باطل کے راستے بتلا دینا، حق کے فوائد اور ثمرات کیا ہیں اور باطل کے مضرات اور نقصانات کیا ہیں؟ یہ بھی کھل گیا کہ انسان وحی کی روشنی کے بغیر خیر اور شر کی پہچان حاصل نہیں کر سکتا۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نجدین سے مراد خیر اور شر ہیں تم میں سے کسی کو بھی ''نجد الشر'' سے محبت نہیں رکھنی چاہئے'' (تفسیر کبیر: رازی: ایضاً حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ ایضاً الجامع: قرطبی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے نزدیک ''نجدین'' سے مراد عورت کے پستان ہیں یعنی بچے کے لئے دودھ پینے اور غذا حاصل کرنے کے لئے دو راستے ہیں (تفسیر کبیر: رازی: تفسیر کبیر: امام طبرانی: ایضاً غرائب القرآن: نظام الدین نیشاپوری)۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت اور گذشتہ دو آیتوں میں آگاہی کے اسباب متعین کرتے ہوئے اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا تاکہ فکری، نظریاتی اور عملی سرچشموں تک رسائی آسان ہو جائے اور انسان میں جذبہ سپاس اور احساس تشکر پیدا ہو۔

انسان کو استفادہ کے لئے ان وسائل کو سرچشمہ فیض سمجھنا چاہئے۔ عقلی ادراک اور استدلال کے لئے آنکھ، زبان کے طریقوں سے فائدہ اٹھانا۔

دوسرا فطرت اور نظام وجدات سے کما حقہ شعور کو منور کرنا اور وحی کی روشنی سے حق کی دہلیز پر پہنچنا اور اپنے آپ کو عملی اور روحانی انسان بنانے کی کوشش کرنا۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝

''پھر وہ شخص اہم گھاٹی سے اوپر نہیں گیا''

آیت کی تشریح میں سب سے پہلے ہم ''اقتحام'' لفظ میں غور و فکر کرتے ہیں کہ اس کا لغوی مفہوم کیا ہے۔ زمخشری نے لکھا کہ اس لفظ کا معنی کسی چیز میں داخل ہونا یا پھر اس کے پاس سے تیزی اور شدت کے ساتھ گزر جانا ہوتا ہے (کشاف: زمخشری)۔ راغب نے کسی خوفناک اور شدید معاملہ میں گھس جانے کا مفہوم نقل کیا ہے (المفردات: راغب اصفہانی)۔ ابن فارس نے کہا اقتحام سخت اقدام ہوتا ہے۔ اندھا دھند کسی طرف چل پڑنا ''قحم'' ہوتا ہے۔ علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بلا غور و فکر اپنے آپ کو کسی چیز میں پھینک دینا اقتحام ہوتا ہے (الجامع الاحکام القرآن: قرطبی)

لفظ کی حقیقت جان لینے کے بعد آیت کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ عقبہ سے مراد جہنم

کا ایک پہاڑ ہے۔ مجاہد اور ضحاک کے نزدیک جہنم کے اوپر پل صراط کے لئے عقبہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ کلبی بھی اس کی تائید کرتے تھے اور حضرت حسن بصری ؒ کے نزدیک گھاٹی سے گزر جانا شدید مجاہدے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ (غرائب القرآن: نظام الدین نیشاپوری)

آیت کا تفسیری مفہوم یہ ہوگا کہ اسلام صرف زبانی جمع خرچ کا نام نہیں بلکہ ہر انسان کے سامنے اعمال وحرکات اور آزمائش اور جہد مسلسل کی گھاٹیاں ہیں جنہیں اس نے عبور کرنا ہے اسے جولانگاہ حیات میں خیر کا عظیم اور مستقیم راستہ اختیار کرنا چاہئے یہی راہ اسے بلندیوں کی طرف لے جائے گی۔

ایک فنی نوعیت کا مسئلہ قرطبی نے نقل کیا ہے اس کا لکھ دینا یقیناً فائدہ کا موجب ہوگا۔ امام رازی نے بھی اس کی وضاحت کی ہے (مفاتیح الغیب: فخر رازی ایضاً قرطبی ایضاً مجمع البیان) یہاں اقتحم پر جو لا داخل کیا گیا ہے نافیہ خبریہ ہے یا استفہامیہ ہے۔ نفرین کے لئے استفہام کے معنی میں یہاں لا کو لانا مستبعد ہے البتہ زجاج کے نزدیک یہ بات ضرور قابل وضاحت رہتی ہے "لا" جب فعل ماضی پر داخل ہو تو وہ تکرار کا تقاضا کرتا ہے مثلاً "فلا صدق ولا صلی" خود ہی رازی اور قرطبی اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ "لا" جب "لم" کے معنوں میں آئے تو تکرار کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہاں "لا" "لم" کے معنوں میں استعمال ہوا ہے (الجامع الاحکام القرآن: قرطبی ایضاً رازی ایضاً نمونہ ایضاً مجمع البیان ایضاً سید امیر ایضاً نیشاپوری)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾

"اور آپ تو خوب جانتے ہیں کہ وہ گھاٹی کیا ہے"

زندگی کی آزمائشیں ایک مشکل اور دشوار گزار گھاٹی کی طرح ہیں اور آخرت بذات خود ایک خوفناک گھاٹی کی طرح سینہ تانے سامنے موجود ہے۔ بہر حال انسان نے محامد اور کامیابیوں کے حصول کے لیے آزمائشوں کی گھاٹیاں عبور کرنی ہیں۔ یہاں اس آیت میں گھاٹی کے مشکل اور دشوار گزار ہونے پر زور نہیں، زور اس بات پر ہے کہ انسان یہاں سے گزرنے کو اہمیت دے۔ سید قطب نے اچھا لکھا ہے (فی ظلال القرآن: سید قطب ایضاً آلوسی ایضاً ہاشمی) کہ رب تعالیٰ نے جولانگاہ حیات میں انسان کی تربیت کرتے ہوئے اس میں جرأت اور ہمت پیدا کی ہے۔ راہ حق میں جتنی بھی مشکلات ہوں بندہ خدا کو بہادری کے ساتھ عظمتوں سے ہمکنار کرنے والی گھاٹی میں کھس جانا چاہئے اور ایک ہی جست میں منزل تک رسائی حاصل کر لینی چاہئے۔ کامیابی تک پہنچنے کے لئے محنت کرنے والوں کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا۔ ان کی تکلیفوں کا ثمر اللہ تعالیٰ انہیں ضرور عطا فرمائے گا۔

ضمیر، ذہن اور سوچ کو قرآنی طرز تکلم نے کچوکا لگایا کہ عظمتوں سے ہمکنار کرنے والی بلند چوٹی تجھے معلوم نہیں اس لئے خدا خود ہی تجھ کو بتاتا ہے کہ کردار واخلاق اور عقیدہ عمل کا کوہ ہمالہ کہاں اور کون سا ہے اب اس سے آگے قرآن مجید جو کچھ بتاتا ہے مضامین سورت کا وہ نچوڑ ہے۔

فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾

"گردن چھڑانا"

اس ایجاز اور ابلاغ سے لبریز جملے کی تشریح میں امام رازی نے اپنی تفسیر میں حضرت براء بن عازب ؓ کی روایت سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ (تفسیر کبیر: فخر رازی)

ایک اعرابی حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ!

مجھے کوئی ایسا عمل ارشاد فرمایئے جو مجھے جنت میں داخل کرانے کا سبب بن جائے۔۔۔۔۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"تو نے مختصر بات کی ہے لیکن سوال بڑے عظیم مطلب کا ہے۔۔"

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"غلاموں کو آزاد کرا اور گردنوں کو چھٹکارا دلوا۔۔۔۔"

اعرابی عرض کرنے لگا یہ تو دونوں کام ایک ہی ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا نہیں دونوں الگ الگ ہیں۔ میرے کلام کا مفہوم یہ ہے "غلام کو مستقلاً آزاد کرا اور دوسری بات سے میری مراد یہ ہے کہ تو غلام کی قیمت کی ادائیگی میں تعاون کرتا کہ وہ آزاد ہو جائے۔"

امام رازی نے اس فقرے کا دوسرا مفہوم یہ نقل کیا ہے کہ گردن کو دوزخ کی آگ سے نجات دینا اس طرح کہ گردن سے گناہوں کا بوجھ ترجائے۔ صحیح اور ارجح بات یہی ہے کہ آیت میں آزادی اور حریت کا لازوال درس ہے خواہ آزادی گناہوں سے ہو یا غلامی سے ہو۔

أَوْ إِطْعٰمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ⑭

''یا بھوک والے دن کھانا کھلانا''

بھوکوں کو کھانا کھلانا ہر حالت میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس جملے اور فقرے میں اشارہ قحط سالی کے ایام میں انسانیت کی خدمت ہے۔ اس انسانی خدمت کو بھی قرآن حکیم نے مشکل گھاٹی سے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے کہ شعور ایمانی اور رحمدلی عمدہ خصلتیں ہیں۔

ایک مغربی شاعر نے ایک نظم کے اندر کتنے خوبصورت خیالات کا اظہار کیا ہے:

رحمت، دردمندی، امن اور محبت یہی تو وہ نعمتیں ہیں جن کے لئے دکھی انسان خدا سے دعا مانگتا ہے۔

یہی تو وہ خوشیوں بھری نیکیاں ہیں کہ مل جائیں تو انسان خدا کا شکر ادا کرتا ہے

رحمت انسان کا دل ہے۔

دردمندی انسان کا چہرہ ہے

محبت انسان پر خدائی نور کا جلوہ ہے

اور امن انسان کا اوڑھنا بچھونا ہے (ولیم بلیک)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من موجبات الرحمة اطعام المسلم السغبان

بھوکے مسلمان کو کھانا کھلانے سے رحمت کا نزول لازم ہو جاتا ہے۔ (الوسیط: الواحدی نیشاپوری)

قرطبی کے الفاظ یہی ہیں (الجامع الاحکام القرآن: قرطبی) جبکہ حاکم نے رحمت کی بجائے مغفرت کے الفاظ نقل کیے ہیں (کتاب التفسیر تفسیر سورہ بلد: حاکم)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص کسی بھوکے کو قحط کے دنوں میں پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن جنت کے دروازوں میں سے اس دروازے سے داخل فرمائے گا جس سے کوئی دوسرا داخل نہیں ہوگا سوائے اس شخص کے جس نے اس جیسا عمل کیا ہوگا۔ (الوسیط فی تفسیر القرآن المجید: ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری)

يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ⑮

''کسی رشتہ دار یتیم کو''

قرآن مجید جس معاشرے میں نور و رحمت بن کر برسا وہ معاشرہ صرف ایمانی اقدار کی عظمتوں ہی سے نا آشنا نہیں تھا بلکہ اخلاقی ارجمندیوں سے بھی محروم تھا۔ انسانیت وحشت اور بدمعاشی کے بوجھ تلے اس طرح دب چکی تھی جیسے کوئی شفاف ہیرا صحرا میں ریت تلے دب گیا ہو۔ رحمت عالم ﷺ کی بعثت نے کاروان انسانیت کو عظمتِ کردار کے ایک نئے جہاں سے روشناس کروایا۔ اپنی خداداد فراست اور بصیرت سے انسانوں کے مادی اور روحانی ہر قسم کے مسائل حل کیے۔

آیت مذکورہ میں بے رحم معاشرہ جو یتیموں کے حقوق کھا جانے اور ان کا مال ہڑپ کر جانے کو کارنامہ تصور کرتا تھا، کردار اور اخلاق کو فردوس میں سانس لینے کے لئے یتیم پروری ایسی خصلت سکھائی جاتی ہے۔ رشتہ دار یتیم کے ساتھ حسن سلوک ایک بلند گھاٹی عبور کرنے سے مشابہت رکھتا ہے۔ آیت مختصر ہے لیکن اس میں سکھائے جانے والے سبق کی گہرائی دیکھیں۔ یتیم کے ساتھ اچھا رویہ، اس پر مال خرچ کرنے کی تحریص اور پھر رشتہ داری کے حقوق کی ادائیگی، حسن عمل کے شفاف آبگینوں میں جیسے نقاش فطرت نے ستاروں کا سا حسن سمو دیا ہو۔ ممکن ہے آیت میں قرب والا یتیم کہنے میں یہ حکمت بھی شامل ہو یتیم کے ساتھ ہمدردی خدا کا قرب دینے والی شے ہوتی ہے اور یہ بھی سیاق و سباق کے اعتبار سے سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ یتیم جو باپ کی شفقت سے محروم ہو کر زندگی کی آزمائشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے اس سے قریب رہنا اور اس کا احساس تنہائی ختم کرنا بہت بڑا صدقہ ہے بلکہ قرآن حکیم کہتا ہے غلام آزاد کرنے کی طرح کا یہ حسن عمل ہے۔

''یتیم کو کھانا کھلانا'' قرآن حکیم کی اصل دعوت ہے۔ یتیم نوازی کسی بھی طرح کی جائے قابل رشک ہے لیکن کھانا کھلانا اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا اسے عزت دینے کے مترادف ہے۔ جس معاشرہ کے اراکین یتیم کو عزت دے سکتے ہوں اس میں کوئی اور صنف انسانیت بے عزت نہیں ہو سکتی۔

أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾

''یا کسی خاک نشین مسکین کو''

مسکین ایسا شخص جس کی زندگی کی گاڑی معاشی کمزوری کی وجہ سے رک جائے امام رازی لکھتے ہیں جس کے پاس پہننے کے لئے کپڑے نہ ہوں اور چلنے کے لئے اسے جوتے میسر نہ ہوں (تفسیر کبیر: امام فخر الدین رازی) ۔ ''متربہ'' مصدر میمی ہے۔ اصل اس کی تراب ہے جس کا معنی خاک اور مٹی ہوتا ہے۔ یہ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو بھوک اور افلاس اور شدت فقر وفاقہ کی بنا پر خاک نشین ہو گیا ہو۔ قرآن مجید اس آیت میں ایسے مسکین کو کھانا کھلانے کی تحریص دلاتا ہے۔ کھانا تو ہر مسکین کو کھلانا خوش خصالی ہے۔ ہو نہ ہو اشارا ادھر مقصود ہو کہ جس مخزن ولایت کو حضور ﷺ نے ''ابو تراب'' کہا تھا اس کی شان تواضع کے لئے یہ استعارہ ہو، اس میں کیا شک ہے کہ ''ابو ترابی'' فقر وفاقہ میں خودی اور استغنا کا پرچم بلند رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ پیشہ ور گداگروں کو کھانا کھلانا یہ بھی عظمت اخلاق کو چھونے والا عمل ہے، تو وہ لوگ جو فقر کی وجہ سے اپنے چہروں کی رونق اور افلاس کی وجہ سے اپنی گدڑی بے وقار نہیں ہونے دیتے ان کو کھانا کھلانے کا مقام کیا ہو گا۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾

''پھر ان میں سے جو ایمان لائے اور آپس میں انہوں نے صبر کی تلقین کی اور آپس میں رحم کرنے کی وصیتیں کیں''

اس آیہ کریمہ میں ایمان، اخلاق اور عمل کی نئی جہتیں قاری قرآن کے سامنے لائی جا رہی ہیں۔ مقصود یہ بتلانا ہے کہ یتیم کو کھانا کھلانا، مسکین کے لئے طعام نوازی اور غلام آزاد کرنا عمدہ خصلتیں ہیں جن کا فیضان بہر حال بعض دوسرے خصائل پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے لیکن ایمان، صبر اور رحمت وہ چیزیں ہیں جو اعمال صالحہ کی اصل بنیادیں ہیں۔

''ثم'' کے استعمال پر یہاں مفسرین نے طویل ابحاث نقل کی ہیں کہ یہاں اس آیت میں ثم تاخیر زمانی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یا اس کے برعکس عدم تاخیر زمانی کے لئے لایا گیا ہے۔ میرے خیال میں اشارہ اس طرف کرنا مقصود ہے کہ لوگ صرف انسان دوستی ہی کی گھاٹی نہ عبور کرتے رہیں بلکہ حرکات وفیضات کی اصل بنیاد ایمان ہے۔

یہاں اس آیت بینہ کے اندر تین چیزیں قابل توجہ ہیں:

(۱) ایمان

(۲) آپس میں صبر کی تلقین کرتے رہنا

(۳) اور رحمت کی نصیحت معاشرے میں پھیرتے رہنا

انفرادی عمل کو اجتماعی عمل اور حرکت میں تبدیل کر دینا قرآنی دعوت کا اعجاز ہے اور بلاشبہ صفحہ ہستی پر ایسی قوموں کو بقا کی سند دی جاتی ہے۔ جو اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے جیتے ہیں۔

(روح المعانی: آلوسی ایضاً تفسیر کبیر: رازی ایضاً مظہری ایضاً بیضاوی ایضاً واحدی نیشاپوری ایضاً میزان ایضاً ابوالفتوح رازی)

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾

''یہی لوگ ''اصحاب المیمنہ'' ہیں''

یہاں اس جملہ کی تفسیر میں مفسرین نے دو احتمال لکھے ہیں: ایک تو یہ ہے کہ ''میمنہ'' یمین سے ہے اور دوسرا یہ کہ یہ یمن سے ہے۔ اگر یہ یمین سے ہو تو معنی دائیں ہاتھ والے ہیں۔ سورہ واقعہ میں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے لئے بستر بچھے ہوں گے، ان کی مسندیں اونچی ہوں گی ان کے لئے بے خار بیریاں، رس بھرے پھل خصوصاً کیلے، لمبے لمبے سائے اور پانی کی آبشاریں ہونگی۔ ان نعمتوں والے لوگ اگلوں اور پچھلوں میں ایک بڑی جماعت ہو گی۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ برکت والے لوگ ہیں خود اپنے لئے بھی اور معاشرے کے لئے بھی ان کا وجود باعث برکت ہے۔

(کشاف: زمخشری ایضاً کبیر: رازی ایضاً نظم الدرر: برہان الدین بقاعی)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿١٩﴾

''اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کر دیا وہ بدبخت لوگ ہیں''

وہ لوگ جنہوں نے آیات باری کا انکار کر دیا ہے اور اپنی بدقسمتی سے خیر کے سرچشموں سے دور ہو گئے ہیں وہ صرف اتنا ہی نہیں کہ نیکیوں

ورحسنات سے بعید ہیں بلکہ ان کا گندہ وجود معاشرے کے لئے بے برکتی جنم دیتا ہے اور ایسے لوگ جو ڈھیٹ، منکر اور گستاخ بن کر اپنے وجود کو زشت اور برائی کا کنواں بنالیں پھر ہر بدبختی اس گندے کنویں میں پھینک دی جاتی ہے اور ایسے لوگ ہی قیامت کے دن بائیں ہاتھ والے ہوں گے اور کھولتا ہوا پانی اور سیاہ دھواں ان کا مقدر ہوگا۔ یہ لوگ انکار آیات کے ساتھ ساتھ بھاری اور گندے گناہوں پر اصرار کرنے والے ہوتے تھے۔ (تفسیر القرآن: ابوفتوح رازی ایضاً کشاف ایضاً کبیر ایضاً قرآن حکیم سورہ واقعہ)

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾

''ان پر آگ کا حصار قائم ہے''

منکرین آیات کو جہنم میں داخل کر کے آگ کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں گے یا مفسرین نے دوسرا مفہوم یہ بھی نقل کیا ہے کہ آگ کا عذاب ان پر چھا جائے گا۔ نہ وہ آگ کو خود سے دور ہٹا سکیں اور نہ جہنم سے وہ باہر نکل سکیں۔ جب آگ ان کے ساتھ لازم اور ملزوم ہو جائے گی تو گویا آگ کو ان پر بند کر دیا جائے گا۔

(الوسیط: واحدی نیشاپوری: ایضاً رازی ایضاً آلوسی ایضاً پانی پتی ایضاً سید قطب ایضاً اسماعیل حقی ایضاً ابن جوزی ایضاً حاشیہ شہاب)

رب کریم شہر نور کی زیارت نصیب فرما اور وہ اماکن قدس جہاں تیرے محبوب نے قدم رکھے ہیں انہیں ہمارے لئے بوسہ گاہ بنا دے تاکہ ہم شہر کی نسبت سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا سبب پا سکیں۔

''رب جلیل تو نے والد اور مولود کی قسم کی ہے ابراہیم کے فرزندِ عظیم جناب مصطفےٰ کی ولادت کی برکت سے ہماری نسلوں کا مقدر ایمان کی روشنیوں سے چمکا دے۔۔۔۔!!

رب غفور تو نے انسان کو مشقت میں پیدا فرمایا ہے۔ ہمارے جگر کو، دل کو اور بدن کو مشقتوں سے نجات عطا فرما، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آسانی ہبہ فرما دینا، تیری مدد کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

اے اللہ! ہمارا یقین ہے کہ تو ہم پر قادر ہے، اپنی قدرت سے ہمارا رخ اپنی ہی جانب موڑے رکھنا، کہیں بے جہت آوارگی مقدر نہ بن جائے

اے معطی دو مالک!

نہ ہم اپنے ہیں اور نہ ہی مال ہمارا ہے۔ جو کچھ ہے تو نے ہی دیا ہے، تو ہی اسے اپنے راستے میں قبول فرما لے۔۔۔''

اے دیکھنے والے!

تیرا کرم کہ ایمان دیا ہے کہ تو ہم سب کو ہر حالت میں دیکھنے والا ہے تجھے تیرے دیکھنے کی قسم ہماری پردہ پوشی فرما دے یہ تیرا بڑا کرم ہوگا۔

اے میرے منان!

دو آنکھیں! زبان اور ہونٹ تو نے دیئے ہمت دے کہ ہم تیرے نور کے جلوے دیکھیں اور توفیق ارزاں کر کہ زباں سے صرف تیری صفات کے نغمے الاپیں۔

اے عزت دینے والے مالک

عظمت کردار کی چوٹی پر سرفراز فرما اس طرح کہ ہم حریت کے عاشق رہیں، یتیموں، مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔

صبر و رحمت کی ایک دوسرے کو تلقین کریں اور ایمان ہی ہمارا ظاہر و باطن ہو جائے۔

اے عذاب سے بچانے والے!

قیامت کے دن دوزخ کی آگ کو ہم سے دور رکھنا۔

☆☆☆

راہِ خداوندی میں صدقہ کی اہمیت

عن ابی هريرة ؓ ان النبی ﷺ قال "ما من يوم يصبح العباد فيه الا ملكان ينز لان فيقول احدهما اللهم اعط منفقا خلفا ويقول الآخر اللهم اعط ممسكا تلفا

(صحیح بخاری کتاب الزکوۃ: باب ۲۷: حدیث ۱۴۴۲)

مفتی محمد صدیق ہزاروی

راہ خداوندی میں صدقہ کی اہمیت:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر دن بندے اس حال میں صبح کرتے ہیں کہ دو فرشتے اترتے ہیں پس ان میں سے ایک کہتا ہے یا اللہ! خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما اور دوسرا (فرشتہ) کہتا ہے یا اللہ (مال) روک کر رکھنے والے کے مال کو ضائع کر دے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا جس عنوان کے تحت ذکر کیا ہے اس عنوان کے لئے آپ نے سورہ اللیل کی آیت ۵ کا انتخاب فرمایا:

ارشاد خداوندی ہے:

فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی فسنیسرہ للیسری واما من بخل واستغنی وکذب بالحسنی فسنیسرہ للعسری.

''تو وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی (بات) کو سچ مانا تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کریں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا اور سب سے اچھی (بات) کو جھٹلایا تو بہت جلد ہم اسے دشواری مہیا کریں گے''۔

اس حدیث شریف میں صدقہ کی ترغیب اور بخل (کنجوسی) سے ترہیب ہے اور اس ترغیب و ترہیب کی اہمیت کو اس انداز سے اجاگر کیا کہ ایک فرشتہ راہ خداوندی میں خرچ کرنے والے کے لئے نعم البدل کی دعا کرتا ہے اور دوسرا فرشتہ بخیل کے لئے اس مال کے تلف ہونے کی دعا کرتا ہے جسے بخیل شخص روک کر رکھتا ہے اور صدقہ و خیرات پر اسے خرچ نہیں کرتا۔

یہ بات واضح ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی معصوم مخلوق ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ہیں اور اس کی حکم عدولی نہیں کرتے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون (سورہ تحریم آیت ۶)

''جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں''۔

اس لئے ان کی دعا رد نہیں ہوتی اور بارگاہ خداوندی میں شرف قبولیت حاصل کرتی ہے بنابریں رسول کریم ﷺ نے فرشتوں کی دعا کا ذکر کر کے انفاق کی ترغیب دی اور بخل سے منع فرمایا تاکہ مومن کو انفاق کی وجہ سے فرشتے کی دعا سے فائدہ حاصل ہو اور وہ نقصان سے بچ جائے۔

رسول اکرم ﷺ کا انداز تبلیغ نہایت عمدہ اور اثر آفرین تھا۔ آپ کسی بات کا حکم دیتے یا کسی کام سے روکتے تو اپنی بات کو موثر بنانے کے لئے مخاطب کی نفسیات کو پیش نظر رکھتے۔ انسان فطری طور پر حریص ہوتا ہے اور حرص بے شمار خرابیوں کو جنم دیتی ہے جن میں سے ایک بات مال جمع کر کے رکھنا اور اس میں خرچ نہ کرنا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں نے اس مال کو خرچ کیا بالخصوص ان امور میں جن کا بظاہر کوئی فائدہ نظر نہیں آتا تو اس طرح میرا مال کم ہو جائے گا اور میں مفلوک الحال ہو جاؤں گا لہذا مجھے خرچ کرنے کی بجائے جمع کر کے رکھنا چاہئے تو رسول اکرم ﷺ نے بتایا کہ تمہارا مقصود تمہیں اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب تم خرچ کرو کیونکہ اس سے مال بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی جگہ مزید عطا کرتا ہے اور کنجوسی سے اجتناب کرو کیونکہ اس سے بظاہر مال بڑھتا ہوا نظر آتا ہے لیکن وہ مختلف صورتوں میں تمہارے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔

مال خرچ کرنے والے کو دو طرح فائدہ حاصل ہوتا ہے: ایک یہ ہے اس طرح اس کا مال بڑھ جاتا ہے اور دوسرا فائدہ آخرت میں ثواب کی صورت میں حاصل ہوگا۔

یہی نہیں معاشرتی زندگی میں لوگ اس سے محبت بھی کرتے ہیں اور اس کی عزت و تکریم بھی ہوتی ہے۔ جب کہ بخیل (خرچ نہ کرنے والا) مال کی فراوانی، ثواب اور لوگوں کی محبت سے محرومی کے ساتھ ساتھ معاشرے میں نفرتوں کا نشانہ بھی بنتا ہے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(فرشتے کی اس کے لئے) تلف کی دعا میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اس کا مال تلف ہوتا ہے یا وہ مال والا شخص خود تلف ہو جاتا ہے یعنی نیک اعمال سے محرومی کی وجہ سے وہ تلف ہو جاتا ہے اس کا دین اور دنیا دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔ (فتح الباری جلد 3 ص 389)

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الانفاق الممدوح ماکان فی الطاعات وعلی العیال والفیضان والتطوعات

''قابل تعریف انفاق وہ ہے جو (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی) فرمانبرداری میں خرچ کیا جائے نیز اپنے اہل و عیال پر اور مہمانوں

پر خرچ کرے اور نفلی صدقات میں خرچ کرے"۔

حضرت امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وھو یعم الواجبات والمندوبات لکن الممسک عن المندوبات لا یستحق لھذا الدعا الا ان یغلب علیه البخل لمذموم بحیث لا تطیب نفسه باخراج الحق الذی علیه

یہ (انفاق) واجب اور مستحب سب کو شامل ہے لیکن جو شخص مستحب کاموں پر خرچ نہیں کرتا وہ اس دعا (یعنی تلف) کی زد میں نہیں آتا البتہ یہ کہ اس پر وہ بخل غالب آجائے جو قابل مذمت ہے وہ اس طرح کہ وہ اپنے اوپر لازم حق کی ادائیگی خوش دلی سے نہ کرے (تو اس کا مال تلف ہونے کا خطرہ ہے) (ایضاً)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ انفاق مال کا مصرف وہی کام ہیں جن سے رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے لیکن اس سلسلے میں اس بات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ بعض مقامات پر خرچ کرنے کا اجر زیادہ ملتا ہے نیز بعض جگہ خرچ کرنا زیادہ ضروری ہوتا ہے۔

مثلاً کسی کے ایصال ثواب پر روپیہ پیسہ خرچ کرنا اچھی بات ہے کہ اس سے دوسروں کو کھانا کھلایا جاتا ہے لیکن جب ایک طرف کچھ لوگوں کا چولھا نہ جلتا ہو اور وہ فاقوں کا شکار ہوں اور دوسری جانب ایصال ثواب کے نام پر مالدار اور خوش حال لوگ دعوت کے مزے اڑا رہے ہوں تو ایسا انفاق محمود نہیں۔

اسی طرح اگر ایک جانب کسی غریب شخص کی بیٹی مالی مجبوری کی وجہ سے رخصتی کی منتظر ہو اور دوسری جانب محافل نعت خوانی پر لاکھوں روپے خرچ کئے جارہے ہوں تو ایسے نفاق کو بارگاہ خداوندی اور بارگاہ نبوی میں کیا مقام حاصل ہوگا۔

لہذا یہ بات ضروری ہے کہ اپنا مال راہ خداوندی میں خرچ کرتے وقت زیادہ اور کم اہمیت کے مسائل کو پیش نظر رکھا جائے اور ایسے کاموں پر مال خرچ کیا جائے جن کے بغیر چارہ نہیں اور اس سے ضرورت مندوں نیز عام لوگوں کا فائدہ ہو۔

☆☆☆

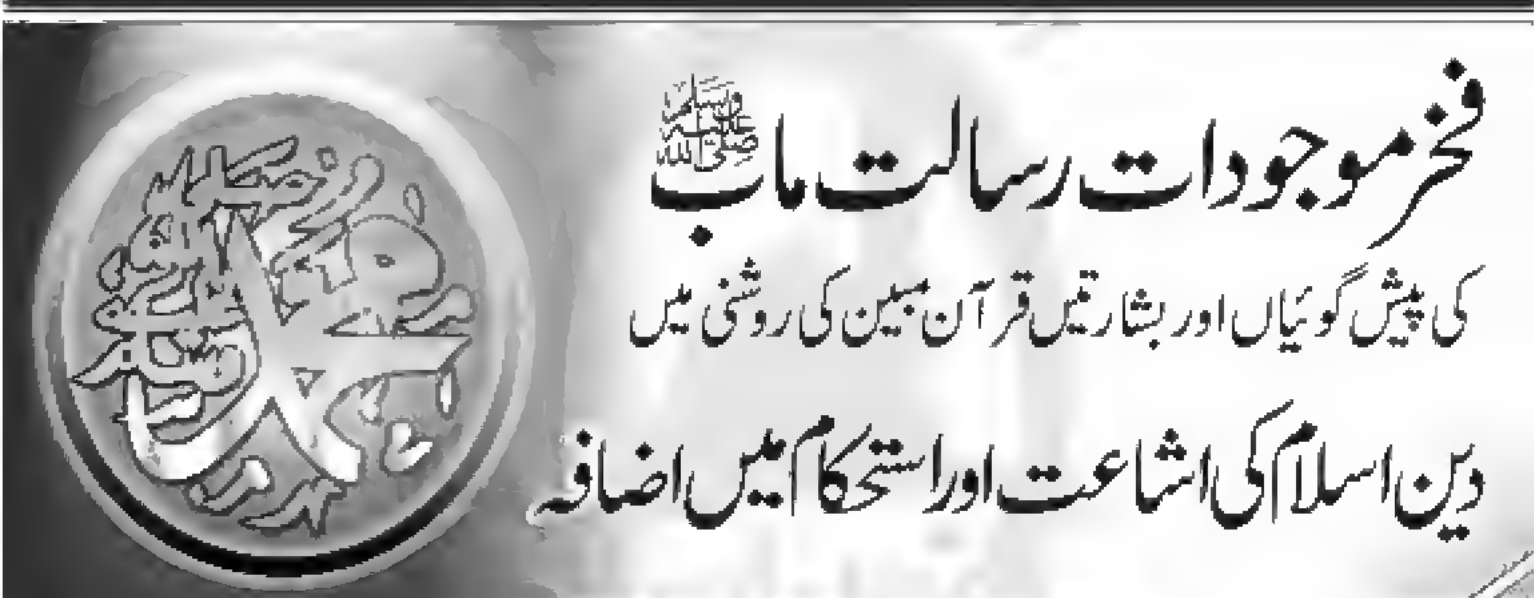

فخر موجودات رسالت مآب ﷺ

کی پیش گوئیاں اور بشارتیں قرآن مبین کی روشنی میں

دین اسلام کی اشاعت اور استحکام میں اضافہ

تحقیق و تحریر: صاحبزادہ محمد سعید احمد بدر قادری

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾
تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ

''اللہ تعالیٰ نے کیسی اچھی تمثیل کلمہ طیبہ کی بیان کی ہے کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جس کی جڑ خوبصورت مضبوط ہے اور اس کی شاخیں خوب اونچائی میں جارہی ہیں وہ اپنا پھل ہر موسم میں اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا ہے۔''

درج بالا آیت مبارکہ میں لفظ ''سما'' سمو سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی رفعت، بلندی، شوکت اور عزت کے ہیں، یعنی اس کی جڑ (بنیاد) زمین میں بخوبی موجود ہے۔ فرعها في السماء (شاخیں آسمان میں ہیں) یعنی اس کی شاخیں وہ اعمال حسنہ ہیں جو ایمان پر مرتب ہوتے ہیں، اور بارگاہ قبولیت میں آسمان کی طرف لے جاتے ہیں، گویا کلمہ حق کا بول دنیا میں بھی موجود رہتا ہے اور آخرت میں بھی۔

لفظ ثابت اسم فاعل ہے اور اس میں ہمیشگی اور استمرار کے معانی شامل ہیں۔

تمثیل کا حاصل یا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کا دعویٰ توحید و ایمان نہایت پختہ اور سچا ہے جس میں کوئی شک یا شبہ نہیں۔ اس کے دلائل و براہین نہایت واضح، صاف و شفاف، مضبوط و مستحکم اور فطرت کے مطابق و موافق ہونے کی بنا پر اس کی جڑیں اذہان اور قلوب کی گہرائیوں میں اتر کر پیوست ہو جاتی ہیں اور اعمال صالحہ کی شاخیں آسمان قبولیت تک کا پہنچتی ہیں۔ اس کے لطیف و شیریں ثمرات سے اہل ایمان اور اہل توحید ہمیشہ لذت اندوز ہوتے رہتے ہیں الغرض حق و صداقت اور توحید و معرفت کا سدا بہار شجر روز بروز پھولتا، پھلتا اور بہت پائیداری اور استقرار کے ساتھ بلند و بالا ہوتا رہتا ہے۔ یہ وہ درخت ہے جس کی جڑیں پاتال کی جانب بڑھتی اور پھیلتی جائیں جس سے درخت مضبوط اور مستحکم بھی ہوتا ہے اور اسے طبیعی خوراک بھی زیادہ ملتی ہے۔ وہ درخت جس کا نشو و نما جاری رہتا ہو۔ جس کی تراوٹ، تازگی اور سرسبزی و شادابی قائم و دائم ہو۔ اس کی شاخیں ہمیشہ پھیلا کرتی ہیں۔ فضائے بسیط میں لہلہاتی رہتی ہیں۔ یہ شاخیں آسمان کی طرف صعود کرتی ہیں اور آسمانی بارش سے غذا لیتی ہیں۔ اس کا تنا ایک ہوتا ہے مگر پھیلاؤ کے اعتبار سے اس کی شاخیں گنجان ہوتی ہیں۔ اسلام کے کلمہ طیبہ کی مثال بھی اسی درخت کی سی ہے جہاں اس کا تخم کاشت کیا گیا وہاں وہ اسی طرح قائم و دائم ہے اور اس کی شاخیں مشرق میں اقصائے چین اور مغرب میں افریقہ امریکہ تک پھیل گئی ہیں۔ شمال اور جنوب میں بھی وسعت کا یہی حال ہے۔

آریاؤں کے بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ وسط ایشیاء سے آئے جبکہ بعض دوسرے محققین کا خیال ہے کہ جنوب سے نیچے اترے لیکن آج تبت، ترکستان اور تاتارستان میں جا کر دیکھ لیں وہاں آریاؤں کا نام و نشان نہیں، گویا ان کی جڑیں قائم نہیں، ان کی بنیاد موجود نہیں۔ یہی حال دیگر اقوام عالم کا ہے۔ بنی اسرائیل کو سرزمین فلسطین اس وعدہ کے ساتھ دی گئی (جسے ارض موعود کہا گیا) کہ وہ شریعت کے بانی کے پیروکار رہے تو ابدالآباد کے لئے انہیں یہاں حکومت و قیادت حاصل رہے گی لیکن اس قوم کی جڑ اس سرزمین پر قائم ہے۔ آج کل اہل مغرب کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے ایک چھوٹی سی ریاست ضرور قائم ہے لیکن اس کے وجود کو ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے۔

بہر حال وہ سرزمین نہیں اور وہ مملکت نہیں جس کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا گیا تھا، بلکہ یہ تو وہی غلامانہ اطاعت ہوئی جو بخت نصر اور حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی یہودیوں کو اس سرزمین پر بسنے کی اجازت دے دی تھی جبکہ وہ بعہد مسیح اہل روما کے اطاعت گزار تھے۔

آتش پرست پارسی قوم کا گھر ایران ہے، لیکن اب ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ کیا یہ اقوام اصلها ثابت کے الفاظ اپنے آپ پر چسپاں کر سکتی ہیں، ہرگز نہیں، یہودیوں، پارسیوں اور ہندوؤں کی اقوام جس جمود میں غرق ہیں یا جس ملکی حدود میں محدود ہیں وہ ان حالات میں فرعها في السماء (شاخیں آسمان میں ہیں) کے مصداق ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہیں۔

ہاں اسلام ہے جو نہ کسی خاص حویلی کا پیپل ہے اور نہ کسی چوپال کا بڑ کا درخت ہے، نہ کسی صحن کا نیم کا درخت ہے اور نہ کسی باغیچہ کا پیڑ ہے، وہ آسمان کے خلائے بسیط میں پھیلا ہوا ہے اور اسی میں مزید بڑھ اور پھیل رہا ہے۔

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ

''یعنی ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے اپنے رب کے حکم سے'' (سورہ ابراہیم: آیت ۲۵)

ہر ایک درخت کے پھل لانے کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ کوئی موسم گرما میں، کوئی موسم سرما میں، کوئی بہار میں، کوئی خزاں میں پھل لاتا ہے۔ رب العالمین نے اسلام کو ایسا سدا بہار درخت بنایا ہے کہ جو ہر وقت اور ہر موسم میں پھل لاتا ہے۔

درج بالا سورہ ابراہیم کی آیت کا ترجمہ کنز الایمان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں نے یوں کیا ہے:

''اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی پاکیزہ بات یعنی کلمہ طیبہ کی جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے۔ اپنے رب کے حکم سے''۔

کنزالایمان کے شارح مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

''کلمہ ایمان یعنی کلمہ طیبہ کی مثال ایسی ہے کہ اس کی جڑ قلب مومن میں ثابت اور مضبوط ہوتی ہے اور اس کی شاخیں یعنی عمل آسمان میں پہنچتے ہیں اور اس کے ثمرات برکت وثواب ہر وقت حاصل ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ سید ہر دو عالم ﷺ نے اصحاب کرام سے فرمایا: وہ درخت بتاؤ جو مومن کے مثل ہے۔ اس کے پتے نہیں گرتے اور ہر وقت پھل دیتا ہے۔ یعنی جس طرح مومن کے عمل اکارت نہیں ہوتے اور اس کی برکتیں ہر وقت حاصل رہتی ہیں۔ صحابہ کرام نے فکریں کیں کہ ایسا کون سا درخت ہے؟ جس کے پتے نہ گرتے ہوں اور اس کا پھل ہر وقت موجود رہتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے جنگل کے تمام درختوں کے نام لئے۔ جب ایسا کوئی درخت خیال میں نہ آیا تو حضور ﷺ سے دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ جب حضور پرنور ﷺ نے دریافت فرمایا تھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ کھجور کا درخت ہے لیکن چونکہ بڑے بڑے صحابہ تشریف فرما تھے میں چھوٹا تھا۔ اس لئے میں ادباً خاموش رہا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر تم بتا دیتے تو مجھے بہت خوشی ہوتی''۔

حضور رسالت مآب ﷺ کے عہد میں دیکھیں، کفار کے ظلم وستم کے باوجود اسلام کا درخت بارآور رہا اور مدینہ منورہ میں آکر تو نہ صرف مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا بلکہ اس عہد میں بحرین، عمان، دومۃ الجندل اور شام کی سرحد تک لوگ اسلام کے شیریں درخت ہونے کا ثبوت دیتے رہے، یہی حال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ادوار کا ہے۔ جب مسلمان شام، مصر، عراق اور ایران تک پھیل گئے اور کفار جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے گویا ایمان کا درخت اپنی شاخیں پھیلا رہا تھا۔ آگے چل کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں مغربی تیونس تک اسلام پھیل گیا۔ اموی دور میں جبل الطارق فتح ہوا اور اسلام ہسپانیہ میں پہنچ گیا۔ عباسیوں کے آخری دور میں جب ایک طرف چنگیز خاں اور ہلاکو خاں نے مشرقی علاقوں کو فتح کر کے مسلمان سلطنتوں کو نقصان پہنچایا اور بغداد تباہ کر دیا لیکن بقول علامہ اقبال

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

فرغانہ سے فعل مہم جو بابر نے ہندوستان فتح کر کے مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔ جو ڈیڑھ دو سو سال ہندوستان میں حکمران رہی۔ اس سے قبل سلطان محمود غزنوی نے پنجاب فتح کیا بلکہ اس سے بھی پہلے محمد بن قاسم سندھ اور ملتان فتح کر چکا تھا۔ سلطنت دہلی کا آغاز شہاب الدین غوری نے کیا اور پھر خاندان غلاماں سے سادات اور لودھی وغیرہ حکمران رہے۔ یہ سب اسلام کا کرشمہ تھا۔

عہد حاضر میں اگرچہ مسلمان کمزور اور بے دست وپا ہیں لیکن اس کے باوجود انڈونیشیا سے مراکش تمام مسلمان حکومتیں قائم ہیں۔ دنیا میں 54 کے قریب مسلمان ملک ہیں اور آبادی ڈیڑھ ارب کے قریب ہے۔ مسلمانوں کے نکبت وادبار میں گرفتار ہونے کے باوجود اسلام کی حقانیت کا یہ عالم ہے کہ برطانیہ سمیت تمام یورپ، افریقہ، امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور غیر مسلم کافی تعداد میں مسلمان ہو رہے ہیں۔ گویا ایمان کا بیج، ہر جگہ بارآور ہے۔

عہد حاضر میں مسلمانوں کی تعداد پہلے کے مقابلہ میں دوچند اور سہ چند ہو گئی ہے۔ ان مساعد حالات کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ اور غیر مسلمانوں کا دائرہ اسلام میں آنا اس پیش گوئی کی صداقت کا ثبوت ہے جو "تؤتی اکلھا کل حین" میں کی گئی ہے یعنی اپنے رب کے حکم سے وہ درخت اپنا پھل لا رہا ہے۔ باذن اللہ کی معنویت عیاں ہو رہی ہے اور اس پیش گوئی کا پورا ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

ہر دور میں اسلام کے دلائل وبراہین کا ظہور

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۵۳

''ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں (اسی) دنیا میں دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی، یہاں تک کہ ان پر کھل کر رہے گا کہ یہ قرآن حق ہے۔'' (حٰمٓ السجدہ آیت نمبر ۵۳)

کنزالایمان میں ترجمہ یوں ہے:

''ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود ان کے آپ میں، یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بے شک وہ حق ہے''۔

اس آیت کی تشریح مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے یوں کی ہے:

''آسمان اور زمین کے اقطار میں سورج، چاند، ستارے، نباتات، حیوانات یہ سب اس کی قدرت و حکمت پر دلالت کرنے والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان آیات سے مراد گزری ہوئی امتوں کی اجڑی ہوئی بستیاں ہیں، جن سے انبیاء کرام کی تکذیب کرنے والوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان نشانیوں سے مشرق و مغرب کی وہ فتوحات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ اور ان کے نیازمندوں کو عنقریب عطا فرمانے والا ہے''۔

دراصل اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اور دین اسلام کے حق اور سچا ہونے پر زبردست پیش گوئی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اپنی قدرت کاملہ کی نشانیاں دکھائیں گے جو قرآن مبین اور دین اسلام کی صداقت اور حقانیت پر واضح دلیل ہوں گی۔ عرب کے اردگرد تمام قطاع و ممالک فتح ہو جائیں گے اور ان کی ذات خاص میں بھی یہ جنگ بدر میں مارے جائیں گے اور ان کا مسکن و مرکز مکہ بھی فتح و تسخیر ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ ان پیش گوئیوں کے وقوع اور مطابقت سے ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ قرآن حکیم بالکل سچا اور دین اسلام برحق ہے۔

چنانچہ ابتدائے اسلام ہی میں نہ صرف حجاز کا علاقہ بلکہ سارا عربستان مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا اور کفار کے بڑے بڑے امراء، رؤسا، و سرداران قریش ہلاک ہوئے اور دنیا سے ان کا نام و نشاں ہی مٹ گیا۔

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ

''ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں اسی دنیا میں دکھائیں گے''۔

آفاق لفظ افق کی جمع ہے۔ جس کے معنی کنارہ کے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں اگرچہ مفسرین کے مختلف اقوال ملتے ہیں مگر سیاق و سباق کے مطابق معنی یہ ہے کہ ''ہم ان کو اپنی جو نشانیاں دکھلائیں گے وہ دو قسم کی ہوں گی ایک آفاقی یعنی بلاد و ممالک کے متعلق اور دوسری وہ نشانیاں جو ان کی ذات سے متعلق ہوں گی۔

آفاق سے متعلق نشانیاں کثرت سے ہیں جن کی بشارت حضور ﷺ نے احادیث مبارکہ میں دی ہے اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا جب نہایت قلیل مدت میں دور دراز ممالک میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ قیصر و کسریٰ جیسے باجبروت بادشاہوں کا مقہور ہو جانا جو اس دور کی دو سپر پاورز تھے معمولی بات نہیں۔ عربستان کی کایا پلٹ جانا، سب جگہ ایک نئی زندگی کا ظہور، اسی طرح زلزلوں کا آنا، بڑے بڑے حادثات کا ظہور، حجاز میں مہینوں تک عجیب و غریب آگ مشتعل ہونا، یہ سب واضح دلائل ہیں اور قبل از وقت قرآن میں بیان پیش گوئیاں نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی طرح آیات انفسی بھی بہت سے حضرات نے بچشم خود ملاحظہ کیں۔ مکہ میں ہجرت سے قبل ہی ایک انقلاب کا آغاز ہوا اور ہجرت کے بعد اس میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ سنگدل اور سفاک لوگ رحم دل اور نرم مزاج بن گئے۔ بت پرست، خدا پرست، وحشی اور ان پڑھ قیصر و کسریٰ کے ممالک کے حکمران بن کر انتظام کرنے لگے۔ ان پڑھ لوگوں کے سینے علوم و فنون کے مرکز بن گئے۔ ان کے سینوں سے علوم و حکمت اور دانش کے چشمے پھوٹنے لگے۔ نشانات الٰہیہ کی یہ اندرونی، بیرونی داخلی و خارجی نشانیاں اور شہادتیں نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آیات تسعہ کا تعلق زیادہ تر آفاق سے تھا۔ اہل فرعون پر حجت اللہ ختم ہوئی مگر وہ ہدایت الٰہی سے دور ہی رہے۔ اس کے برعکس آیات قرآنی کا اثر فی الانفس بھی ہے اور فی الآفاق بھی۔ اس لئے حضور ﷺ کے مخاطبین نور حق اور صداقت الٰہیہ کے قریب تر ہوتے چلے گئے اور اس سے اس قدر مستفیض ہوئے کہ خود سراپا نور بن گئے۔ اصحابی کالنجوم کا یہی مفہوم ہے یعنی آپ ﷺ نے فرمایا ''میرے اصحاب میرے ستارے ہیں''۔

لوگ جوق در جوق مسلمان ہوں گے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲

''جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور آپ ﷺ دیکھیں کہ لوگ دین اسلام میں جوق در جوق داخل اور شامل ہوں گے''۔

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کنزالایمان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان نے یوں کیا ہے:

''جب اللہ کی مدد اور فتح اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں''۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ سورہ نصر کا نزول فتح مکہ سے قبل ہوا۔ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ دائرہ اسلام میں ایک ایک یا دو دو افراد شامل ہوتے تھے لیکن فتح مکہ کے بعد لوگ جماعت در جماعت اور گروہ در گروہ شامل ہونے لگے۔ مسلمانوں کے لئے قبل از وقت بشارت یا پیش

گوئی کی گئی کہ جلد ہی اہل کفار میں سے لوگ فوج در فوج دائرہ اسلام میں داخل اور شامل ہوں گے۔ مشرکین منتظر تھے کہ کفر و اسلام کی جنگ میں آخر کون فتح یاب ہوتا ہے، کون مکہ کی قیادت کرتا ہے بلکہ ان کا کہنا تھا کہ اگر سید عالم حضور ختم مرتب ﷺ (خدانخواستہ) باطل پر ہیں تو وہ اصحاب فیل کی طرح ہلاک ہو جائیں گے۔ ایسے عالم میں اللہ تعالیٰ نے نبی منور و اکرم کے ذریعے مسلمانوں کو وقت سے بہت پہلے بتا دیا کہ مسلمان پریشان یا مایوس نہ ہوں کیونکہ ایسا وقت آنے والا ہے جب لوگ بڑے بڑے گروہوں کی صورت میں آغوش اسلام میں آئیں گے کہ دنیا دیکھ کر حیران رہ جائے گی، چنانچہ اس خیال کے حامل تمام لوگ فتح مکہ کی شاندار فتح دیکھ کر تیزی سے مسلمان ہونے لگے اور جوق در جوق مشرف باسلام ہونے لگے، عربستان کے دیگر قبائل بھی پیچھے نہ رہے اور اکثر و بیشتر پورا قبیلہ ہی مسلمان ہو جاتا لیکن فتح مکہ کے جب دور دور تک آثار بھی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی جو علام الغیوب ہے، جانتا تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے چنانچہ اس نے مسلمانوں کو قبل از وقت پیش گوئی کے طور پر بشارت دے دی کہ حیران کن دور آنے والا ہے۔

قرآن حکیم نے نہ صرف گذشتہ اقوام اور ملتوں کے حالات و واقعات بیان کئے ہیں بلکہ اس طرح اس نے مستقبل کے حالات اور آئندہ وقوع پذیر ہونے والے واقعات اور حوادث و سانحات بھی پیش گوئیوں کے طور پر بیان کر دیئے ہیں۔ قرآن حکیم میں ایسے واقعات ایک دو یا تین چار نہیں بلکہ کثرت کے ساتھ ہیں۔ یہ پیش گوئیاں مناسب اوقات میں لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف پوری ہوئیں اور اہل دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ قرآن پاک کتنا سچا ہے اور اس کے حامل سید و سرور عالم ﷺ کس قدر سچے اور کھرے انسان ہیں جنہیں کفار بھی "صادق اور امین" تسلیم کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کسی امر کے ثبوت کے لئے حقائق اور واقعات سے بڑھ کر کوئی اور مصدقہ معیار نہیں۔

قرآن حکیم کے معجز صفت ہونے کی دلیل اور ثبوت میں قرآن مبین کی وہ بشارتیں اور پیش گوئیاں پیش کی جا سکتی ہیں جو مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے طور پر کی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں چند امور قابل غور ہیں۔

(1) قرآن پاک کی ہر پیش گوئی نہایت احترام و احتیاط کے ساتھ کی گئی ہے۔ ان میں نجومیوں، کاہنوں یا جادوگروں کا انداز بیان اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ ذو معنی اور مبہم الفاظ استعمال نہیں کئے گئے۔ دوٹوک انداز میں بات کہہ دی گئی ہے۔

(2) تمام پیش گوئیاں انسانی نقطۂ نظر سے ایسے ناسازگار اور ناموافق حالات میں کی گئیں جب ان کے پورا ہونے کے بارے میں دور دور تک علامات و آثار موجود نہ تھے اور ان کے سچا ہونے کے متعلق کہیں ادنیٰ سا بھی امکان اور احتمال نہیں تھا، البتہ مسلمانوں کا نبی اکرم محترم پر کامل اعتماد اور ایمان اور قرآن حکیم کی سچائی کے بارے میں یقین کامل تھا کہ ان ہر دو صداقتوں میں کوئی غلط نہیں ہو سکتا۔

(3) تمام پیش گوئیاں بدرجہ کمال صحیح اور درست ثابت ہوئیں اور بہت سے لوگ قرآن مبین کے اعجاز و صداقت کاملہ کو دیکھ کر مشرف با سلام ہوتے رہے بلکہ آج بھی یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ یورپ و امریکہ میں بڑے بڑے سائنس دان یا دانش ور قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ پکار اٹھتے ہیں کہ قرآن سچا ہے اور ان میں سے بیشتر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن پاک یہ شہادت بھی دیتا ہے کہ مستقبل کے واقعات کا کسی انسان یا ذی روح کو علم نہیں۔

کسی انسان کو مستقبل کا قطعی علم نہیں

ارشاد قرآن ہے کہ:

وما تدری نفس ما ذا تکسب غدا

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ غیب یا مستقبل کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے اور کسی کو یہ طاقت حاصل نہیں البتہ پیغمبروں اور رسل کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس قدر ہر دور میں ہر نبی، اور ہر رسول کو عطا کرتا رہا جس کی اسے ضرورت تھی یا ان نبیوں یا پیغمبروں کی رسالت کی گواہی و شہادت کے لئے جس قدر علم کی ضرورت تھی وہ اسے تفویض کر دیا گیا، اس ضمن میں ارشاد ہے۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (سورہ جن: آیت ۲۶، ۲۷)

ہم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کے کنز الایمان میں درج ترجمہ پیش کرتے ہیں:

"غیب جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے"۔

مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی شرح قرآن میں لکھتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ علم غیب خاص کو کسی کو مسلط نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ اطلاع کامل نہیں دیتا جس سے حقائق کشف تام اعلیٰ درجہ یقین کے ساتھ حاصل ہو، لیکن اپنے پسندیدہ رسولوں کو غیوب پر مسلط کرتا ہے اور اطلاع کامل اور کشف تام عطا فرماتا ہے، یہ علم ان کے لئے

معجزہ ہوتا ہے۔ اولیاء کو بھی اگرچہ غیوب پر اطلاع دی جاتی ہے مگر انبیاء کا علم باعتبار کشف وانجلا اولیاء کے علم سے بہت بلند وارفع واعلیٰ ہے اور اولیاء کے علوم انبیاء کی وساطت اور انہی کے فیض سے ہوتے ہیں۔ معتزلہ ایک گمراہ فرقہ ہے وہ اولیاء کے لئے غیب کے علم کا قائل نہیں۔ اس کا خیال باطل احادیث کثیرہ کے خلاف ہے اور اس آیت سے ان کا تمسک صحیح نہیں۔ بیان مذکورہ میں اس کا اشارہ کر دیا گیا ہے، سید الرسل، خاتم الانبیاء، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ مرتضیٰ رسولوں میں سب سے اعلیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام اشیاء کے علوم عطا فرمائے ہیں جیسا کہ صحاح ستہ کی معتبر احادیث سے ثابت ہے اور یہ آیت حضور پرنور ﷺ کے اور تمام مرتضےٰ رسولوں کے لئے غیب کا علم ثابت کرتی ہے"۔

نبی کے معجزات مادی کا انکار کرنے والے اور شکوک وشبہات اور اوہام باطلہ میں گرفتار بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں لیکن مستقبل میں واقعات کی صحیح تاویل ایسے لوگ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ دنیا میں کسی واقعہ کی شہادت مضبوط، مستحکم اور ناقابل اعتبار شہادت تسلیم کی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں آئندہ پیش آنے والے جن واقعات کی بشارتیں دی گئی ہیں یا پیش گوئیاں کی گئی ہیں وہ سب لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف درست ثابت ہوئیں اور تمام واقعات وقوع پذیر ہوئے جن کے عینی شاہدین موجود ہیں بلکہ بعض واقعات کی تو سائنس دانوں نے تصدیق کی ہے ان پیش گوئیوں کی درستگی کی بدولت کلام الٰہی کے درست اور صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔

☆☆☆

مرکزی مجلس رضا کے نگران، ماہنامہ "جہان رضا" کے مدیر
درجنوں علمی کتابوں کے مصنف، مؤلف اور مترجم سفیر رضا

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی

کی ہفت رنگ باتیں

انٹرویو: محمد نواز کھرل

کچھ لوگ خوشبو کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ جہاں بھی جاتے ہیں وہاں کی فضا اور در و بام کو مہکا دیتے ہیں۔ ایسی ہی شخصیات میں ایک جگمگاتا نام "پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی" ہے۔ جن کی ذات میں ادیب اور خطیب گلے مل رہے ہیں۔ تقریر اور تحریر میں کچھ کچھ فرق ضرور ہے مگر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کو پڑھتے ہوئے اور سنتے ہوئے آدمی دونوں کیفیتوں کو یکجا اور یکجان پاتا ہے۔ قاری اور سامع کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ بہت سال پہلے 1939ء میں وہ ضلع گجرات کی دور آباد بستی موضع شہاب دیوال سے شہر داتا لاہور کے لئے روانہ ہوئے تو ارادوں کے چراغ، آرزوؤں کی تازگی اور ولولوں کے والہانہ پن کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا لیکن اپنے ارادوں کی تکمیل اور خوابوں کی تعبیر کے لئے اقبال احمد فاروقی نے ذاتی قابلیت اور ان تھک محنت سے اپنے لئے ایک مقام پیدا کیا۔ ان کی تابناک زندگی کا معرکہ آرائیوں سے بھرا ہوا شاندار سفر اپنے سراپے میں جمال اور کمال، وقار اور نکھار کے سارے رنگ یکجا کر لینے والے پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کو زندگی کے راستوں پر ہمیشہ نور اور خیر کی ہمراہی حاصل رہی ہے۔ وہ دوہری اور دوغلی زندگی والے عہد میں ظاہر و باطن کے سولناک تضاد کا کبھی شکار نہیں ہوئے۔ ذوق و شوق نے ان کے جذبوں کو عشق کا رنگ دیا اور مشعل عشق رسول کے ازلی و ابدی نور کے فیض سے شعلہ جوالہ بن گئی۔ پاکستان کو سرزمین عشق کا مدینہ بنانے کی تڑپ ان کے دل میں موجزن رہتی ہے۔ وہ اپنے خوابوں میں ٹوٹے ہوئے تاروں کی روشنی جوڑ جوڑ کر اس گردوں کی تلاش میں ہیں جو ہمارے زمانے کی نگاہوں میں گم ہو گیا ہے وہ اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے اس آواز کو جگانا چاہتے ہیں جو امت مسلمہ کے ٹھنڈے لہو میں سو رہی ہے۔ نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پرسوز جیسی صفات سے مالا مال، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایک مطمئن بڑھاپے کی رفاقت میں ایک سچی، سوہنی اور بے نیاز زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دینی، روحانی اور علمی حلقوں میں ان کے لئے اپنائیت بڑی گہری ہے۔ اجلے من، بھیگے دل اور نفیس رویوں والے پیرزادہ اقبال احمد فاروقی زمانہ طالب علمی سے اب تک مسلسل استقامت اور بے غرضی سے دینی اور علمی خدمات سرانجام دیتے چلے آ رہے ہیں۔ برسوں افسری کی کرسی پر براجمان رہے۔ لیکن خود کو ہمیشہ آیت الکرسی ہی کی پناہوں میں رکھا۔ دوران ملازمت بھی تصنیف و تالیف اور ترجمہ نگاری کا کام جاری رکھا۔ فکر رضا کے فروغ اور رضویات کی نشر و اشاعت کے لئے حضرت فاروقی صاحب کی گرانقدر خدمات ہماری دینی تاریخ کا روشن باب ہے۔ وہ ابتدا ہی سے مرکزی مجلس رضا لاہور سے وابستہ رہے اور حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے دست راست مانے جاتے تھے۔ آج بھی "مرکزی مجلس رضا" کا نام اور کام انہی کے دم قدم سے زندہ ہے۔ فاروقی صاحب لگ بھگ گزشتہ دو دہائیوں سے "جہان رضا" کے نام سے ایک ماہنامہ باقاعدگی سے شائع کر رہے ہیں۔ اس خوبصورت اور اچھوتے مجلے نیا شائع تعداد کا کوئی ریکارڈ تو نہیں بنایا لیکن مقبولیت اور محبوبیت کی بہت سی حدیں پار کی ہیں۔ گلاب صفت تحریروں کے خالق پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ساٹھ سے زائد کتب کے مصنف، مولف اور مترجم ہیں۔ گزرے سال ان کی جو کتابیں شائع ہوئیں ان میں رجال الغیب، مجالس علماء، مفکر فاروقی، نسیم بطحا، باتوں سے خوشبو آئے، نگارشات فاروقی اور رشحات کشف المحجوب قابل ذکر ہیں۔ قارئین کرام! میں اپنی بات کو ختم کرتا ہوں اور آپ کو دعا، وفا اور عطا کے پیکر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کی یادوں اور باتوں سے مہکتی لفظوں کی وادی میں اترنے کی دعوت دیتا ہوں۔ (محمد نواز کھرل)

میرے والدین کا گھر گجرات کے ایک گاؤں شہاب دیوال میں تھا۔ میری پیدائش 4 جنوری 1928ء کو اسی گھر میں ہوئی۔ میرا خاندان ایک روحانی خاندان تھا۔ میرے والد پیر انور فاروقی، دادا پیر عبداللہ شاہ فاروقی، پردادا پیر عبدالرحیم شاہ فاروقی، تایا نور پیر فاروقی علمی و روحانی اعتبار سے بلند مقام کے حامل تھے۔ میرے لئے یہ گھرانہ دینی و روحانی تعلیمات کا فیضان تھا۔ ہمارے آباؤ اجداد میری پیدائش سے ایک سو سال قبل سری نگر سے مضافات سے ہجرت کر کے آئے تھے میں نے ابتدائی تعلیم گھر پہ ہی حاصل کی۔ قرآن پاک والد گرامی سے پڑھا۔ تجوید و قرأت کے اسباق اپنے تایا پیر نور پیر فاروقی سے حاصل کئے۔ فارسی کی ابتدائی کتابوں کے تراجم اپنے دادا کے ایک شاگرد عزیز سید محمد شاہ بخاری سے پنجابی زبان میں پڑھے اور کریما، نام حق، پند نامہ، گلستان سعدی کے معانی پنجابی زبان میں حفظ کر لئے۔ پرائمری کی تعلیم گاؤں کے قریب ایک سکول اور مڈل تک ایک مضافاتی گاؤں دولت نگر کے سکول سے مکمل کی۔ یہ سکول دیہات میں بچوں کی ابتدائی تعلیم کے سرچشمے تھے۔ بچپن کے بے شمار واقعات میرے ذہن میں ہیں۔ بچپن کے ان ایام کو "یادگار زمانہ" قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس زمانے میں میرے ایک چچا پیر عبدالخالق فاروقی ایک مجددی سالک کی حیثیت سے لاہور میں مولانا محمد نبی بخش حلوائی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (صاحب تفسیر نبوی) کے زیر نگاہ تربیت حاصل کر رہے تھے، وہ مجھے بھی گجرات سے اٹھا کر اپنے پیر و مرشد کے مدرسہ میں لے آئے۔ یہ مدرسہ دہلی دروازہ لاہور کے باہر تھا جو آج بھی موجود ہے۔ اس مدرسہ کے درویش طلبہ میں مجھے بھی داخل کر لیا گیا۔ صرف و نحو اور منطق کی کتابوں کی تعلیم کے دوران میرے ساتھ حافظ محمد عالم (جو بعد میں سیالکوٹ میں ایک دارالعلوم کے بانی بنے) صاحبزادہ پیر محمد اسلم علی پوری (جو خانوادہ علی پور سیداں نارووال کے ایک پیرزادے تھے) مولانا غلام حسین گوجروی (جنہوں نے آگے چل کر ایک واعظ رنگین بیان بن کر شہرت حاصل کی)، مولانا مفتی محمد عبداللہ (جو آگے چل کر مجددی پیر طریقت بنے اور وادیٔ کشمیر میں پچیس ہزار مریدوں کی روحانی تربیت میں مصروف رہے)، مولانا باغ علی نسیم (جو آگے چل کر مولانا نبی بخش حلوائی کے خلیفہ مجاز اور ان کی مسجد و مدرسہ کے نگران بنے) میرے ہم سبق اور ہم جماعت تھے۔ ان کے علاوہ بیس سے زائد ہم جماعت تھے جو زندگی کی راہوں میں چل کر جدا ہو گئے اور اپنے اپنے انداز میں دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ میں اپنے استاد اور پیر و مرشد مولانا محمد نبی بخش حلوائی رحمۃ اللہ علیہ سے صفر سنی میں خلافت تو حاصل نہ کر سکا مگر وہی میرے استاد تھے۔ وہی میرے پیر و مرشد تھے۔ وہی میرے قریبی اور راہنما تھے۔ وہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری کے خلیفہ تھے جو حضرت پیر خواجہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے، انہیں نقشبندی نسبت سے پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت بھی ملی۔ اس زمانے میں مجھے دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں درس نظامی کے اساتذہ سے تکمیل کا موقعہ ملا۔ اسی دوران کچھ عرصہ ریاست بہاولپور کے ایک مدرسہ تعلیم الاسلام میں فارسی ادب کا وسیع مطالعہ کرنے کا بھی موقعہ ملا اور بہاولپور میں جامعہ عباسیہ سے "علامہ" کی ڈگری حاصل کی۔ ان دنوں جامعہ عباسیہ کے شیخ الجامعہ علامہ غلام محمد گھوٹوی (مرید حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ) تھے۔ مجھے اپنی زندگی میں کتابیں لکھنے اور تراجم کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ الحمدللہ میری ساٹھ سے زائد تالیفات و تصنیفات اہل علم کے مطالعہ میں آئیں اور اہل علم نے انہیں پسند کیا۔ درس نظامی کے ساتھ ساتھ میں نے فاضل فارسی، فاضل عربی، ایم اے فارسی اور ایل ایل بی کی اسناد بھی حاصل کیں۔ اس طرح میں مدارس دینیہ کی نورانی وادیوں کی بجائے سرکاری ملازمت کی راہوں میں چل نکلا۔ پنجاب کے محکمہ صنعت لیبر ویلفیئر کے مختلف سرکاری عہدوں پر ترقی کرتا 1988ء میں 19 ویں گریڈ کا افسر بن کر ریٹائرڈ ہوا۔ میں اپنی سرکاری زندگی میں بھی علمائے کرام اور مشائخ عظام کے قریب رہا اور انہی کے زیر سایہ زندگی کا سفر جاری رہا۔ مشائخ اور علماء نے مجھے اپنے قریب بیٹھنے کا موقعہ دیا اور اپنی نظر التفات سے نوازا۔

مجھے مختلف علمی مراکز میں اس عہد کے جید اساتذہ سے علمی فیض حاصل کرنے کی سعادت میسر رہی مگر اساتذہ کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان سب کے اسمائے گرامی لکھنے سے قاصر ہوں لیکن ایک بات عرض کروں گا کہ مجھے علم حاصل کرنے کے لئے "دانہ می چیدیم ہر جائے خرمن یا یتیم" کا شرف حاصل رہا۔ اسی طرح مجھے مختلف ادوار میں نوجوانوں کو پڑھانے کا بھی موقعہ ملا۔ نامور شاگردوں کے نام لکھنے سے بھی قاصر ہوں مگر مجھے کم و بیش پچیس ہزار طالب علموں کو پڑھانے کا شرف ملا ہے۔ ان میں سے کئی اعلیٰ سرکاری عہدوں پر رہے۔ عدلیہ کے جج بنے۔ دینی خدمات میں مصروف رہے اور بڑے بڑے علمی مناصب پر فائز ہوئے جبکہ بعض روحانی دنیا کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ میرے ان شاگردوں کا حلقہ ملک اور بیرون ملک اب تک مصروف کار ہے۔ بایں ہمہ نہ میں "پیر طریقت" بن سکا اور نہ خلیفہ مجاز بن سکا۔

یہ دنیا میرے لئے میری خوشگوار زندگی کا گہوارہ رہی ہے غربت سے ابھر کر دولت کی فراوانی تک پہنچا۔ اینٹوں کے سرہانے اور بوریا کے فرش سے اٹھا مخملیں بستروں تک پہنچا۔ درویشی سے نکل کر خوشحال زندگی بسر کرنے لگا۔ اللہ کے انعامات میسر آئے، اس نے اپنے بندوں کے

دلوں میں اس فقیرِ بے نوا کی محبت ڈال دی، جہاں گیا، عزت پائی، لوگوں نے بے پناہ محبت دی، احترام دیا اور دل و جان سے چاہا۔ اساتذہ نے میری خدمات کو قبول کیا۔ مشائخ نے اپنی قربت میں جگہ دی۔ وقت کے امراء و وزراء نے میرے لئے اپنے محلات کے دروازے کھول دیئے۔ لہٰذا اس دنیا نے مجھے بہت کچھ دیا اور شکر ہے دنیا بنانے والے کا، اس نے اپنی حفاظت میں رکھا، اپنے محبوب ﷺ کی محبت سے غافل نہیں ہونے دیا اور اپنے بندوں کو میرا احترام دیا۔ محبت دی، عزت دی، ھذا فضل اللہ یوتی من یشاء۔ میری زندگی علماء کرام، مشائخ عظام، واعظان خوش بیان اور نعت خوانان شیریں بیان کے درمیان گزری اور میں سعدی شیرازی کی زبان میں:

تتبع زہر گوشہ یافتم
زہر خرمنے خوشہ یافتم

ان اہلِ علم و فضل کے ساتھ ساتھ مجھے ملک کے سیاستدانوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا موقعہ ملا۔ وزراء، امراء اور راہنمایانِ قوم کے قریب ایک عرصہ گزرا۔ یہ حسرت نہ رہی کہ پاکستان کے حکمران تو بلند و بالا ہیں۔ اب میں موت کی وادی کے قریب پہنچ چکا ہوں مگر کسی چیز کی حسرت نہیں رہی۔ اس لئے اللہ کی یہ دنیا میرے لئے ایک خوشگوار لمحہ ہے۔ ''شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم''

ہاں میں اپنی گزری زندگی کے شب و روز پر نگاہ ڈالتا ہوں۔ اپنی کوتاہیوں، گناہوں اور فروگذاشتوں کے مہیب اندھیرے سامنے آتے ہیں تو کانپ جاتا ہوں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں خالی ہاتھ اس دنیا سے جا رہا ہوں اور اعتراف کرتا ہوں ''زندگی بے بندگی شرمندگی'' میں اپنے اللہ کا کس طرح سامنا کروں گا اور وہاں مجھے کون چھڑائے گا ''من دست و دامانِ آلِ رسول''

مجھے اہلِ سنت کی صورتِ حال خوش کن دکھائی نہیں دیتی۔ خصوصاً پاکستان میں اہلِ سنت بڑے انحطاط اور افتراق کے دور سے گزر رہے ہیں۔ انتشار و افتراق نے انہیں پارہ پارہ کر دیا ہے۔ کوئی راہنما، کوئی قائد اور کوئی لیڈر دکھائی نہیں دیتا جو پاکستان کی اس عظیم دینی قوت کو یکجا کر کے ملت کی راہنمائی کیلئے آمادہ کر سکے۔ سنیوں میں بڑے بڑے علمائے کرام، مشائخ عظام اور اہلِ علم و دانش ہیں مگر سب کے سب ''صفیں کج، دل پریشان، سجدے بے ذوق'' کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے علمائے کرام میں وعظ فروشی، نعت خوانوں میں نعت فروشی اور لیڈرانِ کرام میں خود فروشی اس زمانہ میں ایک روایت بن گئی ہے۔ مشائخ کے حجرے سجادہ نشینوں کے قبضے میں آ گئے ہیں۔ خانقاہی نظام تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ دینی مدارس رسمی تعلیم دے رہے ہیں، جدید عصری تقاضے پورے کرنا تو دور کی بات، ہمارے مدارس قدیم دینی تعلیم سے بھی دور ہوتے جا رہے ہیں۔ جو طلبہ عربی، فارسی میں مشاق ہو کر نکلتے ہیں، وہ عربی اور فارسی میں چند جملے نہیں بول سکتے۔ ''زبان یار من عربی و من عربی نمی دانم''۔

آپ نے دہشت گردی سے متعلق سوال کیا ہے، ان چیزوں کو کوئی شخص پسند نہیں کرتا مگر موجودہ عہد میں دہشت گردی اور انتہا پسندی کو مسلمانوں سے منسوب کرنے کا رواج عام ہو گیا ہے حالانکہ مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگانے والی مغربی و امریکی قوتوں کے ظالمانہ رویوں نے دنیا بھر میں دہشت گردی کو جنم دیا ہے۔ جتنے مظالم ان مغربی قوتوں نے مسلمانوں پر ڈھائے ہیں۔ اس کی مثال سابقہ صدیوں میں نہیں ملتی۔ بعض لوگ تنگ آمد بجنگ آمد کی راہیں اپنا رہے ہیں مگر وہ صحیح راستے سے ہٹ کر اپنے ہی ملکوں میں اپنے ہی مسلمانوں کے قتلِ عام پر نکل پڑے ہیں۔ یہ اقوامِ مغرب کی جادوگری ہے یا نادان نوجوانوں کی بے راہ روی۔ جن تلواروں نے دین اور اسلام کی حفاظت کرنا تھی، وہ اپنے لوگوں کی گردنیں کاٹنے لگی ہیں اور خوارج کی طرح مسلمانوں کو قتل کر کے ''مجاہدینِ اسلام'' بن بیٹھے ہیں۔ ان تیغ زن ٹولوں کو اسلام کی ہدایات پر کام کرنا چاہئے تھا اور اگر اسلامی نکتہ نظر سے جہاد کرنا ہے تو قتل و غارت گری چھوڑ کر اسلامی اصولوں کی روشنی میں جہاد کرنا چاہئے اور ایک مسلمان مجاہد کی طرح تیغ زنی کرنا چاہئے۔ میرے نزدیک آج پاکستان کے اندر جہاد کی ضرورت ہے کیونکہ یہاں غیر اسلامی قوتیں اقتدار کی کرسیوں پر بیٹھ کر عوام کا استحصال کر رہی ہیں، سود، شراب، لوٹ کھسوٹ، مار دھاڑ کا جو رواج پاکستان کے اندر روا رکھا جا رہا ہے۔ اس کے خلاف اسی طرح آواز بلند کرنا ضروری ہے جس طرح اسلامی سلطنتوں میں رائج تھا مگر جب اجتماعی قوت حاصل ہو جائے تو مدنی مجاہدین کی طرح ہر برائی کو ختم کرنا ہوگا۔ ستر سال سے ایک بے دین طبقہ غریب مسلمانوں کا استحصال کر رہا ہے اب وہ وقت آنے والا ہے کہ ''اخرج الیہود والنصاریٰ من الجزیرۃ العرب'' کا نعرہ بلند ہو۔ یہود و نصاریٰ کی معیشت کو پاکستان کی سرزمین سے اب بزورِ شمشیر ختم کرنا ہو گا مگر افسوس کہ آج کا سرکش مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو ہی یہود و نصاریٰ اور مشرک و بدعتی قرار دے کر تیغ زنی کو نکلا ہے۔ ایسے وحشی انسانوں کو اسلام پسند نہیں کرے گا۔ موجودہ دہشت گردی کا دور انشاء اللہ عنقریب ختم ہو گا اور میرا اپنا وجدان کہتا ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ اسلام کا اصل روشن چہرہ پاک سرزمین پر چمکے گا۔

مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے کئی سوالات کا جواب نہیں دے سکا۔ مجھے اجازت دیں میں آپ کا شکریہ ادا کروں آپ نے میرے خیالات کو سنا۔ پسند کیا۔ پھر اسے اپنے موقر جریدہ ماہنامہ دلیلِ راہ کی وساطت سے اپنے قارئین تک پہنچایا۔ دلیل راہ پاکستان کی صحافت کے آسمان پر ایک درخشاں ستارہ ہے۔ جو اپنے قارئین تک مضامین اور مقالات کی روشنیاں پھیلا رہا ہے۔ اس کے مدیر شہیر پیر طریقت علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب اس کے صفحات کو اپنے قلم وفکر سے مزین فرما کر اہل علم وفضل کو دعوتِ مطالعہ دے رہے ہیں۔ میں دلیل راہ کی اشاعت کے تسلسل اور بلند پایہ تحریروں کے لئے دعا گو ہوں۔

میں سابقہ بیس سال سے اپنی علمی اور فکری بے بضاعتی کے باوجود "جہانِ رضا" کی اشاعت میں سرگرم ہوں۔ آج اس کے قارئین کا حلقہ پاکستان کی سرحدوں سے نکل کر ہندوستان، امریکہ، جنوبی افریقہ، کینیڈا، عرب امارات اور یورپ کے خطوں میں بسنے والے سنیوں تک پہنچ رہا ہے۔ "جہانِ رضا" اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار ونظریات کو ترجیحی طور پر پھیلا رہا ہے۔ آج تک بیس سالوں میں علمائے رضویت کے چالیس ہزار سے زیادہ مقالات شائع کر چکا ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے افکار واعتقادات پر ایک ریکارڈ ہے۔ لاہور کے ایک نامور سکالر حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنی حضرات خصوصاً سنی علماء کرام کی بے اعتنائی کو دیکھتے ہوئے مرکزی مجلس رضا کی 1968ء میں لاہور میں بنیاد رکھی اور اعلیٰ حضرت کی کتابوں کی اشاعت کا آغاز کیا۔ اس عبقری سنی عالم دین کی تحریروں کو مختلف انداز میں عوام تک پہنچانا شروع کیا تو سارا پاکستان بلکہ ہندوستان کے علماء کرام نے محسوس کیا کہ

"گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں!"

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے بیس لاکھ کتابیں شائع کر کے مفت تقسیم کیں اور سنیوں میں تازہ روح پھونک دی۔ الحمد اللہ

غنچوں میں ہے تیری مہک پھولوں میں تیری جھلک
ہر سو ہیں افسانے تیرے ہر گھر میں ہے تیری صدا

میری دلی خواہش ہے کہ "دلیل راہ" اپنے صفحات کو فکرِ رضا رحمۃ اللہ علیہ سے سجائے اور اپنے قارئین کو سیاسی اور اعتقادی طور پر بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کرے۔ مجھے دوبارہ آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ آپ نے میرے ٹوٹے پھوٹے خیالات کو اپنے قارئین تک پہنچانے کے لئے اپنے "دلیل راہ" کو میرے لئے دلیل راہ بنایا۔

☆☆☆

ایں گہر از دستِ ما افتادہ است

حافظ شیخ محمد قاسم

''محمود نامہ'' سلطان محمود غزنوی کی غزلیات کا مجموعہ ہے۔ ایک زمانہ میں درس نظامی کے طلباء سبقاً سبقاً یہ کتاب پڑھتے تھے۔ شاہ جی کی لائبریری میں محمود نامہ کے ایک قدیم نسخہ پر شاہ جی کی ایک اچھوتی معلوماتی اور تاریخی تحریر ملاحظہ ہو:

یہ کتاب ''مجھے اعزاز حاصل ہے'' کہ میں نے علامہ مولانا احمد دین سلطان پوری سے پڑھی۔ میرے شفیق استاد سلطان پور کے رہنے والے ہیں۔ سید حسین الدین شاہ صاحب کے والد گرامی فقیہہ ملت علامہ ضیاء الدین سلطان پوری کے یہ شاگرد اور منہ بولے بیٹے ہیں۔ آپ نکساری، فروتنی اور اصول پسندی کا مجموعہ ہیں۔ جس بچے کو آپ پڑھانا شروع کرتے ہیں اس میں پوری دلچسپی لیتے ہیں۔ آپ پڑھنے والے بچوں کی خوشی میں خوش ہوتے ہیں اور پریشانی سے مضطرب ہوتے ہیں۔ آپ تصنع سے وری زندگی بسر فرماتے ہیں۔ میری جب بھی پڑھنے کے لئے حاضری ہوتی ہے۔ استاد محترم پہلے ناشتے کے لئے پوچھتے ہیں، برکت نصیب ہمیشہ ناشتہ حضرت کے ہاں ہی مقدر ہوتا ہے۔ آپ کا صاف ستھرا لباس سر پر کپڑے کی شفاف ٹوپی اور ذوق لطیف کی آئینہ داری ماحول کو پر برکت رکھتی ہے۔ فارسی ادب پر آپ کی نظر گہری ہے۔ فقہ اور فارسی پڑھانے میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ لفظوں کو گھما کر معنوں کو حاضر کر لینا آپ کا محبوب مشغلہ ہے اور ترکیبوں کے رقص میں مفہومات کو چھپا لینا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ استاد محترم جس دردمندی سوز اور خشوع کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں آپ کی ''امامت'' رشک زندگی بن جاتی ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ آپ نے اپنی غربت اور فقر کو کبھی عار نہیں سمجھا۔ آپ کے طرز تدریس میں صرف ایک کتاب ہی زیر مطالعہ نہیں رہتی بلکہ محمود نامہ پڑھاتے ہوئے حافظ شیرازی کے دیوان کا بھی جیسے آپ ختم پڑھ رہے ہوں۔ شیخ فخر الدین عراقی کے فارسی کے اشعار اور قصائد سے آپ کا شغف گہرا ہے۔ پڑھاتے ہوئے طبیعت بعض اوقات اتنی مچل جاتی ہے کہ سبق قوالی بن جاتا ہے۔ استاد محترم کے گورے گورے چہرے پر مقناطیسی آنکھوں سے رواں آنسو جب چاندی کی طرح چمکتی ریش میں کھب جاتے ہیں تو لگتا ہے جیسے دجلہ جنت سے بغداد اتر آیا ہو۔ آپ عراقی کے یہ شعر اکثر پڑھتے ہیں:

بہ زمین چو سجدہ کردم ز زمین ندا برآمد
کہ مرا خراب کر دی تو بہ سجدہ ریائی
چو براہ کعبہ بہ حرم رہم خداوند
کہ بیروں درچہ کردی کہ دروں خانہ آئی

استاد محترم کی بیعت اعلیٰ حضرت فاضل گولڑوی سے ہے۔ آپ کو اپنے شیخ محترم سے جنوں کی حد تک پیار ہے۔ فتوحات کے پڑھنے کا عشق حضرت ہی کی توجہ سے ممکن ہوا اور یہ بھی بتاتا چلوں کہ گولڑہ شریف میں ''اتواری'' صاحب ابن عربی کی کتب کا درس دیتے ہیں۔ میں درس میں باقاعدہ حاضری دیتا ہوں اور پھر استاد محترم کے ساتھ ایک ایک سبق پر بحث ہوتی ہے۔ استاد محترم کو مولانا روم علیہ الرحمہ کی مثنوی جیسے زبانی یاد ہے۔ آپ جب سوز اور درد میں ڈوبی ہوئی آواز میں مفتاح العلوم کے اشعار پڑھتے ہیں طبیعتیں گھائل ہو کر جنگلوں کی طرف بھاگ جانے کی طرف مائل ہو جاتی ہیں۔

استاد محترم کنز الدقائق جب پڑھاتے ہیں تو زیلعی اور عینی ''لفظاً لفظاً'' پڑھاتے ہیں۔ اس موقع پر جامعہ نعیمیہ کے ایک مدرس محترم قاضی عبد الرحمان ایک دن کسی کام کے لئے تشریف لائے اور اشراق سے ظہر تک استاد محترم کی محنت ملاحظہ کی۔ آپ ''طہر متخلل'' کا مسئلہ عینی، زیلعی، شرح الیاس، مستخلص اور شرح ہدایہ کی مدد سے پڑھا رہے تھے۔

قاضی صاحب نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا شاہ جی پیر سید جلال الدین شاہ کی دعائیں اور استاد احمد دین کی شفقت اپنا سرمایہ سمجھنا۔ علم پر نظر گزاری کافی نہیں ہے۔ علم کا گھونٹ لگائیں اکسیر بن جائیں گے۔

استاد صاحب سے ابھی ہدایہ پڑھ رہا ہوں اور حج کی سعادت مل گئی۔ واپسی ہوئی کھجوریں اور پانی پیش کیا استاد صاحب نے حرم میں حاضری کی کیفیت پوچھی۔ ذہن میں موجود کسی استاد شاعر کا کلام ارتجالاً زبان سے ٹپک پڑا۔

حرم میں اذان سحر اللہ اللہ
کہ ہیں وجد میں بام و در اللہ اللہ
دھڑکتے ہوئے دل کا لے کر سہارا
مناجات با چشم تر اللہ اللہ
تجلی میں دھوئے ہوئے سنگریزے

یہاں کے نجوم و قمر اللہ اللہ
جلال الٰہی کی تابندگی میں
جھلکتے ہوئے بام و در اللہ اللہ
وہ کعبہ جسے دیکھ لینا عبادت
مسلسل ہے پیش نظر اللہ اللہ

میرے ایک ہم سبق ساتھی عبدالخالق نے استاد محترم سے درخواست کی ہے کہ ہم عبدالرحمان جامی کا محبت نامہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ عرف عام میں اس کتاب کو "یوسف زلیخا" کہتے ہیں۔ استاد محترم ہماری درخواست سے زخمی ہو گئے اس لئے کہ آپ کی نرینہ اولاد نہیں۔ آپ تسکین خاطر کے لئے اپنی نواسی جو ایک سال کی ہے اس سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ "چن بی بی" سے جو طالب علم عقیدت رکھے اس کے سبقوں کی معراج ہوتی ہے۔ استاد صاحب کی خوشی کے لئے کنویں سے پانی کھینچنے اور چن بی بی کو کندھوں پر اٹھا کر بازار لے جانے کی ڈیوٹی میری ہے۔ اس ملازمت سے میرے استاد مجھ سے بہت خوش ہو گئے ہیں لیکن آپ کی طبیعت کی افسردگی میرے لئے سوہان روح رہتی ہے۔ میں نے کوشش کی کہ "رازدروں" تک رسائی حاصل ہو لیکن ممکن نظر نہیں آ رہا۔ بس آپ اتنا ہی فرماتے میری مسجد کمیٹی کا صدر چوہدری میرے لئے پریشانی کا باعث ہے۔ استاد محترم کو مکان کی تکلیف ہے اور آپ ایک سو روپے کے اعزازیئے پر مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ اتنے بڑے فقیہہ اور مدرس کی عسرت بھری زندگی اہل سنت کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ میں نے کوشش کی کہ استاد صاحب کے لئے مکان کا بندوبست کروں لیکن میری غربت استاد جی کی غربت سے پھنس گئی اور سوائے آہوں اور سسکیوں کے کچھ سرمایہ نہیں، لیکن استاد محترم کی استقامت میری زندگی کا سرمایہ ہے۔

امیر خسرو سے پیار مجھے حضرت کے توسط سے ملا ہے۔ حضرت نظام پاک سے حضرت امیر کی محبت اور عقیدت نے عالم عقیدہ میں مجھے ڈگمگانے نہیں دیا۔ استاد احمد دین سلطان پوری فرماتے ہیں حضرت امیر کا کلام ہدایت کا تعویذ اور دم ہے۔ سوزش وقت کی انتہا کہ میں استاد صاحب کی موجودگی میں امیر کے کلام کو عشقیہ اور فاسقانہ کہہ بیٹھا۔ نصیب دشمناں میرے استاد صاحب نے جو میری ٹھکائی کی مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ پنجابی صلواتیں چہرے کی رنگت، بدن میں پیچ و تاب اور پھر ہر سبق میں یہ جملہ "شاہ جی امیر کا مقام سمجھو جھلے نہ بنڑو" ایک دن امیر خسرو کی یہ عبارت استاد جی کو سنائی:

برایں بندہ واجب بلکہ فرض است ذکر فضائل و شمائل شیخ شیوخ العالم است کہ مرا مسکنت آموخت و طینت بندہ از سرشت طیب او سبقت کہ اخلاق از دم طیب او مطیب گزشتہ است و ہمہ خیر ہا پرورودہ انفاس اوست۔

"بندہ پر لازم بلکہ فرض ہے کہ شیخ المشائخ نظام پاک کے فضائل و شمائل کا ذکر کروں کہ آپ ہی نے مجھے درویشی سکھائی اور آپ کی مبارک اور فیض بار سرشت ہی سے مجھے بندگی ملی۔ میرے اخلاق کو انہی کے پاکیزہ اخلاق کی خیرات ملی اور ہر بہتری انہی کی توجہ سے ممکن ہوئی"۔

قارئین!

اب آپ کو مایوسی ہو گی کہ محمود نامہ کے ابتدائی صفحہ پر لکھنے کے لئے شاید جگہ نہیں بچی، اس لئے شاہ جی نے کتاب کو گرہ بند کر دیا ہے۔ اب آپ کو میرے ساتھ لائبریری کی سیر کرنے کے لئے کچھ وقت وقف کرنا ہو گا۔ میں کتابوں پر کتابیں اٹھائے اور رکھے جا رہا ہوں لیکن مجھے کچھ مل نہیں رہا۔ لو کام تھوڑا آسان ہو گیا ہے انگلینڈ سے محترم قاری واجد کا فون آیا ہے اور انہوں نے شاہ جی سے استفسار کیا کہ ایک رسالے میں آپ کے خلاف لکھا گیا ہے آپ کا لائحہ عمل کیا ہو گا۔

شاہ جی مسکرائے جا رہے ہیں، طبیعت گلاب نظر دکھائی دے رہی ہے۔ فون آپ نے بیٹھ کر سنا ہے لیکن اب آپ چہل قدمی فرمانے لگ گئے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ میری زبان اپنے ہی دانتوں میں کٹ گئی ہے میں کیا جواب دوں، قاری صاحب، فصبر جمیل، فصبر جمیل۔۔۔ اور پھر فصبر جمیل اور آپ مزید کچھ سننا چاہتے ہیں تو

افوض امری الی اللہ

میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

محترم عثمان غنی نے قاری خادم اور عمران ابدالوی کے حوالے سے کچھ گفتگو آگے بڑھانا چاہی تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا:

وقت ضائع مت کرو اور تنقید نگار سے کبھی رابطہ ہو تو میری طرف سے پھولوں کا گلدستہ پیش کرو، میں ہمیشہ کی طرح اس کے لئے دعا گو ہوں۔ اس نے سکون کا راستہ تلاش کیا ہے اس کی کوئی بات میرے لئے تلخ نہیں، اس لئے کہ ماضی کے حوالے سے ان کی اچھی یادیں میں آخرت میں اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے یہ لفظ بھی ان کے لئے رنج اور تکلیف کا سبب بنے ہوں تو میرے پاس کوئی راستہ نہیں کہ میں انہیں کس طرح راضی کروں اور خوش رکھ سکوں۔

عزیزم قاسم!

ہر عزت اللہ کا فضل ہوتی ہے۔ انگلینڈ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اہل سنت میں دو فریقوں کی صلح سے بڑی عزت اور سکون عطا کیا ہے اس پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، رہا معاملہ میری مخالفت کا تو عزت دینے والے کی نگہبانی میں اگر ہمیں کوئی ستائے اور دل ٹھنڈا کرے تو ہمیں اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے، اس لئے کہ عزتیں اور ذلتیں اسی کی طرف سے اترتی ہیں۔

اے اللہ! مجھ سے تو راضی ہو۔ تیری رضا میرے لئے عزت اور مسرت کا انعام ہے۔ یقیناً مجھ سے تیری بندگی میں لاکھوں کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ مجھے اگر کوئی پتھر مارتا ہے یا مجھ سے منہ موڑتا ہے تو میرا پختہ عقیدہ ہے تو اس کو مغفرت ذنوب کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔ مجھے اس پر بھی تیری بارگاہ سے مغفرت کا انعام چاہیئے۔ تو میرے لئے میں تیرے لئے میرے انعام اور انتقام، سب تیری ہی طرف اللہ اکبر۔ تیرے نبی اور ان کی آل و اصحاب پر درود و سلام۔

☆☆☆

نور و رحمت کی چھم چھم برستی بارش

حال اور قال کا ایک خوبصورت رنگ

عن جعفر عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ ابشروا وابشروا انما مثل امتی مثل الغیث لا یدری اخرہ خیر ام اولہ او کحدیقۃ اطعم منہا فوج عاماً ثم اطعم منہا فوج لعل اخرہا فوجاً ان یکون اعرضہا عرضا واعمقہا عمقاً واحسنہا حسنا کیف تہلک امۃ انا اولہا والمہدی وسطہا والمسیح اخرہا ولکن بین ذالک فیج اعوج لیسوا منی ولا انا منہم (رواہ رزین، مشکوٰۃ شریف فضائل امت جلد 8 صفحہ ۵۹۰)

''حضرت جعفرؒ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا خوش ہو اور خوشی دو کہ میری امت کی مثال بارش کی ہے۔ تحقیق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی پچھلی اچھی ہے یا کہ اگلی یا اس کی مثال باغ کی ہے۔ جس میں سے ایک سال فوج نے کھایا پھر ایک سال دوسری فوج نے کھایا۔ شاید کہ بعد والی فوج چوڑائی میں زیادہ چوڑی ہو اور گہرائی میں زیادہ گہری ہو اور حسن میں زیادہ حسین ہو۔ وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے اول اس کا میں ہوں درمیان اس کا مہدی ہو اور آخر اس کا مسیح ہوں لیکن اس کے درمیان ٹیڑھی فوجیں ہیں جو مجھ سے نہیں اور میں ان سے نہیں''۔

سید ریاض حسین شاہ

آج کی اس محفل نور میں حدیث سیکھنے کے جذبے سے آپ کا تشریف لانا محمود ہی نہیں قابل رشک ہے۔ آپ کی باتوں کی مٹھاس، آپ کی حدیثوں کے نورانی جلوے اور آپ کی گفتگو کی مہک کردار ساز ہونے کے ساتھ ساتھ علوم و معارف کے وہ دریچے وا کرتی ہے جس کی مثال نہ پہلوں میں پیش کی جاسکتی ہے اور نہ پچھلوں میں اس کی نظیر تلاش کی جاسکتی ہے۔

حضرت سعید ابن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کسی میں معبود ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا میں ایک ایک حدیث سیکھنے کے لیے کئی کئی مہینوں کی مسافت طے کیا کرتا تھا۔

ابو عالیہ فرماتے ہیں ہم بصرہ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں سنا کرتے تھے ہماری شدید خواہش ہوئی کہ بلاواسطہ ان لوگوں سے احادیث سنیں جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی ہو تو ہم پیدل مدینہ کی طرف چل پڑے یہاں تک کہ وہاں شہر نور میں پہنچ کر بلاواسطہ اصحاب رسول سے احادیث کا علم حاصل کیا۔۔۔۔''

امام احمد بن حنبل ؒ سولہ سال کی عمر میں احادیث کا علم سیکھنے کے لیے پہلے کوفہ تشریف لے گئے پھر اسی سال آپ نے علم حدیث کے لیے مکہ کا سفر کیا جہاں سفیان بن عیینہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے اور اس سال پہلا حج بھی فرمایا پھر امام عبدالرزاق سے حدیث سیکھنے کے لیے صنعاء یعنی یمن تشریف لے گئے، صحراؤں، کوہستانوں اور ریگزاروں کو حضور ﷺ کی باتوں کا نور لینے کے لئے پاؤں تلے روند ڈالا۔ آپ ﷺ کی احادیث اور باتوں کی عظمت کے لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

میٹھی میٹھی عبارت پہ شیریں درود
اچھی اچھی اشارت پہ لاکھوں سلام

حدیث کی سند:

حضرت جعفر ؓ سے مراد جعفر صادق ؓ ہیں۔ محدثین، فقہا، مورخین اور سلاسل اربعہ کے امام جن کی جلالت علم کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امام ابوحنیفہ جیسے جبل امت نے آپ سے استفادہ کیا۔ احترام کا عالم یہ تھا کہ حضرت ابوحنیفہ ستر سال کی عمر میں بھی حضرت جعفر صادق ؓ حلقہ درس چھوڑ کر امام کے لیے کھڑے ہوتے ہوئے احترام کرتے اس لیے کہ وہ سیدزادے تھے، امام اعظم کے پیر زادے تھے اور شرافت علمی و شرافت نسبی کا کوہ گراں ہونے کا اعزاز رکھتے تھے۔ یہ حدیث حضرت جعفر صادق ؓ نے اپنے والد حضرت باقر ؓ اور آپ نے اپنے والد حضرت زین العابدین ؓ سے روایت کی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ملا علی قاری نے حدیث کی سند کو ''سلسلۃ الذہب'' قرار دیا۔

خوش ہو اور خوش کرو:

ابشروو ابشروا

آغاز حدیث دو لفظوں سے ہو رہا ہے۔ مادہ کے اعتبار سے پہلا لفظ ثلاثی مجرد سے امر ہے اور دوسرا ثلاثی مزید فیہ سے باب اکرام سے فعل امر ہے۔ پہلے میں لزوم ہے اور دوسرے میں تعدیت ہے۔ ملا علی قاری نے یہ بھی لکھا دونوں لفظ ایک ہی مادہ سے ہیں۔ لفظ تکرار کے ساتھ معنی اور مفہوم میں تاکید پیدا کی گئی ہے۔ پہلی صورت میں مطالب میں وسعت ہے اور دوسری صورت میں اسلوب میں حسن اور مفہوم میں بلاغت اور فصاحت کی انتہا ہے۔ یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے، نظریہ نہیں ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کشش حضور انور ﷺ کی باتوں میں رکھی ہے، اسے لفظوں کی دنیا میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

ام معبد کہتی ہیں:

اذا تکلم سما و علاہ البھا حلو المنطق

آپ جب گفتگو فرماتے چھا جاتے

اور آپ پر بشاشت، رونق اور حسن کا غلبہ ہوتا، آپ میٹھی میٹھی باتیں کرنے والے تھے۔

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے
فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں
نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

تکرار میں ایک دوسرا مزا ہے:

تکرار قسم کی جان ہوتی ہے۔ ابلاغ کی تاریخ میں بات کو مکرر لانا مسلمہ ہے۔ یہاں اس حدیث میں اگر لفظ کو مکرر تسلیم کر لیا جائے تو مفہوم میں ایک زاید معنی پیدا ہوتا ہے، دلچسپی بڑھتی ہے، سامع کو غور کر لینے کا وقفہ مل جاتا ہے، ویسے بھی جان رحمت ﷺ کی باتوں میں یہ خصوصیت تھی کہ آپ بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے، لہجہ تھما ہوا لیکن حرارت لیے ہوتا اسلوب تکلم میں روانی ہوتی لیکن لفظوں کی شہامت اور مٹھاس قائم رہتی۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ تمہاری طرح تیز تیز گفتگو نہیں فرماتے تھے آپ کا طرز تکلم اتنا صاف اور واضح ہوتا کہ اگر کوئی الفاظ گننا چاہے تو گن سکے۔

بے شک میری امت کی مثال بارش کی ہے:

قرآن حکیم نے حضور ﷺ کے دامن رحمت سے وابستہ ہونے والوں کو خیر امت قرار دیا۔ ایک خیر اور دوسرا امت، امت کا مفہوم ہی امن رحمت کو سموئے ہوئے ہے۔ "ام" ماں کو کہتے ہیں جیسے ماں اپنے بچوں کو محبت اور امن دیتی ہے ایسے ہی حضور ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو ام یعنی ماں کی طرح دامن محبت میں سمیٹا ہوا ہے۔ مذکورہ حدیث میں رسول رحمت ﷺ نے اپنی امت کی مثال بارش سے دی ہے۔ جیسے بارش میں منفعت ہے، فیض رسانی ہے، نوازش ہے، جہاں پہنچے نمو اور پرورش کا عام کرنا ہے، بے صلاحیت کو باصلاحیت بنانا ہے، انقلاب ہے، طہارت بانٹنا ہے، پیاس بجھانا ہے، اسی طرح حضور ﷺ کی امت بھی دوسروں کے لیے جیتی ہے، نفع بانٹتی ہے انسانیت نوازی کا فریضہ سرانجام دیتی ہے، تہذیب نفس کے اصول سکھاتی ہے، صلاحیتوں کے جوہر تقسیم کرتی ہے اس لیے کہ اس کا اثاثہ اپنی اصل سے قائم رہتا ہے۔

ایک ضمنی بات:

غیث کا اطلاق حدیث شریف میں بارش پر ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ غوث اور غیث مخلوق کی صفتیں ہیں خالق کی نہیں۔ رحمت عالم ﷺ سے بڑھ کر شرک کا انسداد کرنے والا کون ہوگا۔ جب آپ اللہ کے سوا بارش کو غیث کہہ دیں تو عالم معنی میں کوئی حرج نہ ہو تو آپ کے غلاموں میں سے کسی کی انسانیت نوازی اور بندہ دوستی کو دیکھ کر اسے غوث کہہ دیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے، معنوں کا انطباق شعور سے ہونا چاہیے شرک سازی خواہ مخواہ بانٹنی نہیں چاہیے شرک سوزی چاہیے۔

امت کی ذمہ داریاں:

حدیث شریف امت کی ذمہ داریوں کا بھی تعین کرتی ہے

پہلی ذمہ داری:

بارش کی طرح امت کو اپنے وجود کو منفعت بخش بنانا چاہیے

دوسری ذمہ داری:

بارش جیسے زمین کو اس قابل بناتی ہے کہ دانہ اس میں اگ سکے۔ امت کو انسانوں پر محنت کرنی چاہیے۔ انہیں عقیدہ و ایمان سکھانا چاہیے۔ عمل خیر کی دعوت دینی چاہیے تاکہ کردار اور اخلاق کی اچھی فصلیں اگ سکیں۔

تیسری ذمہ داری:

بارش آسمان کی طرف سے برستی ہے۔ اس کا تعلق اوپر والے سے وابستہ ہوتا ہے۔ امت کو بھی اوپر والے سے رشتے محکم رکھنے چاہئیں اور مرجع رحمت حضور ﷺ سے روحانی رشتے مستحکم کرنے چاہئیں۔

چوتھی ذمہ داری:

اس امت کی ذمہ داری ہے کہ کائنات کو فتنہ فساد سے پاک کرے اور اپنے وجود میں طہارت خیزیاں سموئے تاکہ گندے انسانوں کو صاف ہونے کے مواقع میسر ہوں۔

پانچویں ذمہ داری:

بارش جیسے گھوم گھوم کر ہواؤں کے دوش پر زمین کے سب خطوں کو نوازتی ہے۔ امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے فیض کو عصبیتی دائروں میں محدود نہ کرے بلکہ فطری عدل کے ساتھ سب کو نوازے۔

چھٹی ذمہ داری:

مسلم امہ کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ اپنے مزاج میں گرج چمک بھی رکھے اس لئے کہ بارش جتنی مسلسل ہو اس میں گرج اور چمک متسلسل ہوتی ہے۔ امہ میں جتنا جوش و خروش، دبدبہ اور صولت اور شان و شوکت ہوگی فیض اتنا ہی گہرا ہوگا۔

ساتویں ذمہ داری:

بارش میں مستقبل کی تصویر ہوتی ہے اس لیے امت کو اپنے فیض کو اس دنیا تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہئے اس کا اصل فائدہ آخرت میں ظاہر ہوگا امت کو فکر آخرت کی ہمہ دم کوشش کرنی چاہیئے۔

آٹھویں ذمہ داری:

بارش کبھی دھیمی، کبھی تیز اور کبھی موسلا دھار ہوتی ہے۔ منعم حقیقی زمین کی ضرورت دیکھ کر، بارش برساتا ہے۔ امت کو بھی حالات کا مطالعہ حکمت سے کرنا چاہیئے۔ کہاں دھیما ہونا چاہیئے اور کہاں تیز یہ فیصلے امت کی فطرت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

نویں ذمہ داری:

جیسے بارش کا کوئی ایک فائدہ نہیں بیسیوں فائدے ہیں اسی طرح امت کا فیضان ہمہ جہت ہونا چاہیئے۔ انسانوں کی اخلاقی، روحانی، مادی و معاشرتی ہر قسم کی ضرورتوں کی تکمیل ہونی چاہیئے۔

دسویں ذمہ داری:

بارش کا کام برسنا ہے۔ امت کا کام رحمت بن کر برسنا ہے اسے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ رواں دواں رہنا چاہیئے۔

بارش اور حضور ﷺ کے فرمان کا خاص اشارہ:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا معلوم بارش کا آخری قطرہ زیادہ نافع ہے یا پہلا قطرہ۔ اس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ مادی زندگی کے اختتام تک حضور ﷺ کا فیض جاری رہے گا۔ رجال پیدا ہوتے رہیں گے۔ قرآن کی شمعیں فروزاں رہیں گی۔ حدیث کا چراغاں ہوتا رہے گا۔ صوفیہ کے قافلے رواں دواں رہیں گے۔ باقی قوموں پر زوال آگیا لیکن حضور ﷺ کا چمن ہرا بھرا رہے گا۔

غیث پر ایک اور حدیث یاد آگئی:

دور سابق میں ایک مرتبہ قحط پڑ گیا۔ بارش نہ ہوئی۔ فضائیں گرم لوؤں سے بھر گئیں۔ پتھروں کا بھی کلیجہ جلنے لگا۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور عرض کیا اے اللہ کے کلیم! اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ کریم بارش عطا فرمائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام استسقاء کے لیے میدان میں آئے، ساتھ ستر ہزار لوگ بھی موجود تھے، آپ نے عاجزی سے استغاثہ کیا الٰہی۔۔۔۔!

اسقنا غیثک

وانشر علینا رحمتک ....

وارحمنا بالاطفال الرضع

والبھا نم الرتع

والشیوخ الرکع

اے میرے معبود!

ہمیں بارش سے نواز

اور ہمارے اوپر اپنی رحمت بکھیر

دودھ پیتے بچوں،

بے زبان جانوروں،

اور کمر خمیدہ بوڑھوں کے سبب سے ہم پر رحم فرما

دعا کیا کی تپش اور بڑھ گئی، ماحول جھلسنے لگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعجب ہوا اور فرمانے لگے، مولا مانگا تو پانی تھا دھوپ اوڑھا دی، آواز آئی۔

ان فیکم عبدًا یبارزنی بالمعاصی

منذ اربعین سنة ....

فناد فی الناس ....!

حتیٰ یخرج من بین
اظھر کم ، فیہ معتکم ....
بے شک
تم میں ایک ایسا شخص ہے
جو گذشتہ چالیس سالوں سے
گناہوں کے ساتھ مجھے ناراض کر رہا ہے
لوگوں میں اعلان کر دیجئے
کہ وہ باہر ہو جائے بارش اس کی وجہ سے رکی ہوئی ہے
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں کمزور سا بندہ ہوں میری آواز ان ستر ہزار تک کیسے پہنچے؟
جواب ملا
آپ کا کام آواز دینا اور ہمارا کام پہنچا دینا ہے
موسیٰ علیہ السلام نے آواز دی اور فرمایا
"رب کے گناہ گار بندے چالیس سال سے رب کو ناراض کر رہے ہو صفوں سے باہر نکل جاؤ۔ تمہاری وجہ سے بارش رکی ہوئی ہے"
گناہ گار بندے نے دائیں بائیں دیکھا کوئی بھی باہر نہ نکلا وہ سمجھ گیا مطلوب شخص وہی ہے۔ دل میں سوچا سب کے سامنے باہر نکلا شرمندگی ہوگی اور اگر باہر نہ نکلا تو بارش نہ ہوگی۔ چہرہ چادر میں چھپا لیا اور دعا کی
رب! تو کتنا کریم ہے
میرے گناہوں کے باوجود مہلت دیتا رہا اب میں نے توبہ کر لی مجھے معاف فرما دے شرمندگی سے بچا لے!
موسلا دھار بارش برسنے لگ گئی۔ موسیٰ علیہ السلام حیران رہ گئے اور عرض کی! کریم اب بندہ نکلا نہیں اور تو نے بارش عطا کر دی تو کریم ہے لیکن کریمی کی حکمت عطا فرما دے
اللہ تعالیٰ نے فرمایا
جس کی بدولت بارش روکی تھی اسی کی وجہ سے عطا فرما دی۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اس اپنے بندے سے ملا تو دے تا کہ میں اسے دیکھ لوں
فرمایا
یا موسیٰ
انی لم افضحہ وھو یعصینی أ افضحہ وھو یطیعنی
اے موسیٰ!
میں نے اسے نافرمانیاں کرتے ہوئے شرمندہ نہیں کیا تو کیا اب اسے شرمندہ کروں جبکہ وہ میری اطاعت کر رہا ہے۔
لا یدری آخرہ خیر ام اولہ
نہیں کہا جا سکتا کہ اس بارش کا آخر خیر ہے یا اس کا پہلا قطرہ انطباق مثال تو امت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔
مفہوم یہ ہوگا کہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میری امت کا جو بھی دور اور زمان ہوگا اس کی منفعت قائم رہے گی آخر ہو یا پہلا رجال امت باران رحمت کی طرح انسانیت کو فیض یاب کرتے رہیں گے۔ ایک دلچسپ بات قابل ملاحظہ ہے کہ سیادت مآب ﷺ نے آخر کا ذکر پہلے فرمایا اور پہلے کا ذکر بعد میں فرمایا۔ محدثین کہتے ہیں مقصود فیض امت کے آخری دور کی اہمیت بیان کرنا ہے کہ جس امت کے آخر میں آنے والوں کا فیض اتنا گہرا، عمیق اور موثر ہوگا اس امت کے اول کا عالم کیا ہوگا۔
حدیث کا یہ حصہ ایک پیش گوئی بھی ہے کہ ہر قوم روبہ زوال ہو سکتی ہے لیکن رحمت عالم ﷺ نے بقائے امت کی تاریخ بیان فرما دی کہ اس کا اول آخر رحمت آور ہے۔ حالات زیر و بر ہو سکتے ہیں اور کیفیات بدل سکتی ہیں لیکن فیض رواں دواں رہے گا۔
ایک اور نکتہ قابل توجہ ہے کہ "لا یدری" میں نفی روایت کی ہے علم کی نفی نہیں اس لئے کہ علم تو ذہن میں مطابق حقیقی کے حصول کا نام ہے

اور دوسرے مسلک کے مطابق کم از کم ذہن میں کسی کی خبر کا آنا علم ہے لیکن درایت تو ظن اور تخمینہ کا نام ہے اور علوم نبوت تحقیقی ہوتے ہیں ظنی نہیں ہوتے۔ اس حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کوئی شخص ظن سے یہ نہیں متعین کر سکتا ہے کہ اس امت کا اول دور زیادہ نافع ہے یا آخر۔ اس کے لئے علم قطعی درکار ہوتا ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام کا علم ہے۔

امت کی دوسری مثال:

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کی مثال بارش کی ہے یا باغ کی جس میں سے ایک فوج ایک سال کھائے پھر اس کے بعد ایک اور فوج اس میں سے ایک سال کھائے۔ اس مثال میں آپ ﷺ نے امت کے فیض میں تنوع کو باغ سے تعبیر کیا، جیسے باغ میں مختلف قسم کے درخت ہوتے ہیں کچھ بڑے اور کچھ چھوٹے بعض پھلدار اور بعض گل بداماں، بعض پھولوں میں رنگوں کے نظارے اور بعض میں خوشبوؤں کی مہک۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں بھی لوگوں کی حالت ایسی ہی ہے کہیں محدثین جو حدیثوں کی خوشبو پھیلائیں، کہیں مؤرخین جو تاریخ کے دھارے قائم فرمائیں، کہیں علمائے حکمت جو استدلال تو یہ سے دین کی عظمت کا سکہ جمائیں اور کہیں زاہدین، عابدین، عارفین جو دلوں کی بستیوں میں نور عرفاں کے اجالے بکھیر دیں "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" کے مصداق حضور ﷺ کی امت کا باغ سدا بہار ہے اور پھر ایسا بھی نہیں کہ پھول ہو کوئی سونگھنے والا نہ ہو، چراغ ہو اور کوئی پروانہ موجود نہ ہو، دروازہ ہو اور اس پر کوئی دستک دینے والا نہ ہو، ایک سال ایک فوج اور ایک سال ایک فوج سے مراد یہ ہے کہ فیض دینے والے بھی موجود رہیں گے اور فیض لینے والے بھی موجود رہیں گے تدریس کی مسندوں پر معلمین ہوں گی، اور تعلیم کے لیے بچھی ہوئی چٹائیاں بھی ویران نہ ہوں گی متعلمین کے قافلے جوق در جوق علم حاصل کرنے کے لیے علم وعرفاں کے سرچشموں کی طرف بڑھتے رہیں گے سبحان اللہ کتنی عظیم اور کتنی لطیف مثال ہے حضور ﷺ کی امت کی اللہ اسے سدا بہار رکھے۔

اظہار میں عطاؤں کی برسات:

اس جملہ کا مفہوم کیا ہے؟ کہ شاید بعد والی فوج چوڑائی میں زیادہ چوڑی ہو اور گہرائی میں زیادہ گہری ہو اور حسن میں زیادہ دلنواز ہو۔ اس اظہار میں قرآن اور سنت کے سینے سے پھوٹ کر نکلنے والے علوم اور معارف کی گہرائی کی طرف لطیف اشارہ ہے یعنی ہر دن قرآن نئے نئے علوم معارف کرائے گا اور سنت کے باران کرم سے نئے نئے باغ پیدا ہوں گے۔ کتاب حکمت کی آیات سے اتنے عناوین ابھریں گے کہ انتخاب مشکل ہو جائے گا۔ لاکھوں کی تعداد میں کروڑوں صفحات پر قرآن مجید کی تفسیریں اعجاز بن جائیں گی۔ قیامت تک تگ و تاز کے یہ سلسلے منقطع نہ ہوں گے۔ علوم و معارف کے بحر نا پیدا کنار ہو جائیں گے۔ سنت کی شمعوں سے کروڑوں شمعیں روشن کر دی جائیں گی۔ شہروں، قریوں، دیہاتوں اور آبادیوں میں حسین سے حسین شخصیتیں ابھریں گی جن کی صلاحیتوں اور اہلیتوں پر زمانہ رشک کرے گا۔ کہیں شہنشاہ بغداد اور کہیں غریب نواز، کہیں شہزادہ گلگلوں قبا کا فیض اور کہیں کوہ تدبر حسن کی اعجاز نگاہی کے کرشمے ایک سے ایک چوڑا اور ایک سے ایک گہرا اور حسن اور جمال، کمال اور خوبی اور دلنوازی اور دلبری میں کون کسے چھوڑے اور کسے دیکھے۔ بڑوں کی عظمت دیکھ کر چھوٹوں کے کلیجے کشکول بن جائیں اور دعائیں تڑپ بن کر ہونٹوں سے بکھریں۔

دینے والے تجھے دینا ہے تو اتنا دے دے
کہ مجھے شکوہ کوتاہی داماں ہو جائے

وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے:

اس جملے میں ماشاء اللہ کتنی قوت ہے۔ طاقت کا کس قدر راز سمو دیا گیا ہے۔ وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے، مراد یہ ہے کہ اس امت کا مقدر ہی نہیں کہ وہ ہلاک ہو۔ یہاں جو بظاہر فاتح بن کر ابھرے کا ذلتیں انتہائی اس کا محاصرہ کر لیں گی۔ صحرائے کربلا میں یزید اور اس کے حواریوں نے جو ظلم اور بربریت روا رکھی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے سوائے چند ذلیل کتوں کے کوئی آدمی امت میں اس کا نام نہیں سننا چاہتا اور امام حسین کی عظمتوں کے پھریرے گلی گلی لہرا رہے ہیں۔ ہلاکو اور چنگیز نے اسلامی دنیا کی اینٹ سے اینٹ بجادی وہ بغداد میں فاتح بن کر داخل ہوئے لیکن ان کی اولادوں نے اپنے ہی باپ دادا کی روحوں کو تہس نہس کر دیا اور اسلامی تہذیب کے پرچم بردار بن گئے۔ روس میں کروڑوں مسلمانوں کو قتل کیا گیا لیکن اسی (80) سال بعد ہی باطل نظام، باطل کہلانے لگ گیا اور افغانستان کے خاک نشینوں اور پاکستان کے مجاہدوں نے اس کی نخوت کا بت اوندھا کر دیا۔ امت مرحومہ نے کسی نہ کسی انداز میں ان شاء اللہ ہر دور اور ہر زماں میں جینا ہے حضور ﷺ کے اس جملے کی طاقت ماضی میں آزمائی گئی ہے اور مستقبل میں مسلمانوں کی نسلیں اس کے حقائق کو ملاحظہ کر لیں گی۔

یہ کس کی باتوں نے بادلوں کو سکھا دیا ہے

کہ سینہ سنگ سے رواں آبشار کرنا

عدم ہلاکت کی دلیل کیا ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ امت ہلاک کیسے ہوسکتی ہے جس کا اول میں ہوں اور اس کا وسط محمد ہے اور اس کا آخر مسیح ہیں ایک روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں

اولها محمد ﷺ

واوسطها محمد ﷺ

وآخرها محمد ﷺ

پہلا بھی محمد ﷺ

دوسرا بھی محمد ﷺ

اور آخری بھی محمد ﷺ

مذکورہ صدر حدیث میں اوسط محمد سے مراد امام مہدی ہیں اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور تقریباً ایک ہی ہوگا لیکن وصال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخر میں ہوگا اس لئے انہیں آخر کہہ دیا۔ پہلی اور دوسری روایت کا مفہوم یہ ہے کہ امت مصطفوی محمدیت کی روح سے بھری رہے گی۔ تجدید دین کرنے والے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔ آپ کی اولاد پاک سے ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی ستارہ ایسا ابھرے گا کہ وہ قدریں زندہ ہوجائے گی۔ اجڑے باغات پر بہاریں چھا جائیں گی۔ خزاں رسیدہ رتیں عقیدہ وعمل کی خوشبوؤں سے مہک اٹھیں گی۔

شاعر نے کتنا خوبصورت اظہار کیا ہے۔

وہ یوں بھی ہے کہ اگر حوصلے سلامت ہوں
بہت کٹھن بھی نہیں رہگذارِ دشت جنوں
یہی کہ آبلہ پائی سے جی نہ اکتائے!!
جراحتوں کی مشقت سے دل نہ گھبرائے

ٹیڑھی راہیں موجود رہیں گی:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پہلے محمد ﷺ اور آخری مہدی کے درمیان ٹیڑھے گروہ موجود رہیں گے۔ آپ ﷺ نے زور دے کر فرمایا وہ میرے نہیں اور میں ان میں سے نہیں۔ دنوں کے اجالوں کی صحیح شناخت اسی صورت میں ممکن ہوتی ہے جب رات کی ظلمتوں کا تعین اور تعارف صحیح معنوں میں ہوجائے۔ جو شخص غلط آدمی، غلط راستے اور غلط منزل کا عرفان اور ادراک نہیں کرسکتا وہ صراطِ مستقیم پر گامزن نہیں ہوسکتا۔

قارئین حدیث!

''منی اور منهم'' کے کلمات بھی واہ واہ ہیں۔ جسے بہت پسند کیا فرمایا یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں، حسن میرا ہے اور میں حسن سے ہوں اور جن سے حضور ﷺ نے نفرت برتی کہا وہ مجھ سے نہیں اور میں ان سے نہیں۔

اندازِ کلام سے نتیجہ اخذ کرنا کتنا سہل ہے۔ جو علی، حسن اور حسین سے ہے وہ میرا ہے اور جو ان کا نہیں انکی راہ پر نہیں اور ان سے پیار نہیں کرتا وہ میرا نہیں۔ حدیث شریف تمام ٹیڑھی راہ پر چلنے والوں کی مذمت کرتی ہے لیکن خوارج کی مذمت کے لیے حدیث میں خاص اشارے موجود ہیں، نہ ماننے والوں کو بھی ایک دن بچنے کے لیے امام مہدی پاک کی دہلیز تو چومنی ہی ہوگی، اسی کے ساتھ ہی حریم کبریا میں عاجز دل کی التجا

اے اللہ!

اے کریم!

معاف فرمادے!

عیبوں پر پردہ ڈال دے!

ایمان لایا تجھ پر!

تیرے رسول کی رسالت پر

حق کے علمبرداروں میں شامل رکھ

ارتسامِ کلمات کی توفیق دی

تو

عمل، محبت اور قبولیت کا جلوہ بھی عطا فرمادے۔

☆☆☆

العرفان

محمد عبدالقدیر صدیقی قادری حسرتؔ

سابق پروفیسر و صدر شعبہ دینیات
عثمانیہ یونیورسٹی

علامہ عبدالقدیر صدیقی برصغیر ہندو پاک کے نامور عالم دین، فلسفے کے معتبر معلم اور قرآن حکیم کے مسلمہ مفسر ہیں۔ تفسیر صدیقی کے نام سے قرآن حکیم پر تحقیقی اور تفسیری کام کیا ہے۔ پاکستان میں ان پر بہت کم لکھا گیا۔ اصطلاحی اور عملی تصوف کا انہیں شہریار کہا جاسکتا ہے" **العرفان** " تصوف اور حکمت کا شہکار مجموعہ مضامین ہے۔ علمائے قدیم کی طرز پر تفہیم تصوف کے لئے "العرفان" قسط وار شائع کی جارہی ہے ________ ''

حصہ چہارم

قرآن شریف کے نغمہ اور سلاست پر غور کرو۔ قرآن شریف کے الفاظ کچھ ایسے نفیس مخارج کے حروف سے مرتب ہیں اور قرآن شریف میں ایسی سلاست وروانی ہے کہ نہ پڑھنے والے کی زبان پر گراں ہوتے ہیں، نہ سننے کے کان پر، اتنی ضخیم کتاب، اتنا بڑا حجم اور اس میں ایک لفظ بھی ثقیل یا متنافر نہیں، دوسرے شعرا اور خطبا کے کلام میں یہ بات کہاں؟ (اعجاز القرآن ص ۹)

ایک جاہل عربن نے قرآن شریف کو پڑھتے دیکھا تو پاس آکر بیٹھ گئی؟ ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگی۔ کسی نے پوچھا یہ کلام کیسا ہے؟ کہا، میں تو جاہل ہوں، کیا بتاؤں مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک طبق میں حلوہ ہے نیچے شہد ہے اوپر مسکہ (اعجاز القرآن ص ۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے نکلے تھے۔ راستہ میں بہن کے گھر پہنچے۔ بڑے اصرار سے قرآن مانگا کر دیکھیں۔ سورۂ طٰہٰ پڑھا تو دل میں اتر گیا۔ باطل کی تائید کے لئے چلے تھے، فاروق اعظم بن کر نکلے۔

عتبہ قریش کا ایک بڑا سردار تھا۔ حضور ﷺ نے قرآن شریف سنایا تو دونوں ہاتھ ٹیک دیئے اور لگا جھومنے اور آنسو بہانے۔

ولید نے سنا تو کہا ان علیہا طلاوۃ و فیہا حلاوۃ اس پر تازگی اور اس میں حلاوت ہے۔ ابو جہل پہنچا کہ اتنے بڑے سردار ہو کر ایک بچے کی باتوں میں آگئے اور تعریف بھی کرنے لگے عربوں پر تمہاری اس تعریف کا برا اثر ہوگا۔ تم کو قرآن کی ہجو اور اس پر اعتراض کرنا چاہئے۔

ولید نے کیا کیا انّہ فکّرَ وَقدّرَ اس نے سوچا اور انکل دوڑائی فقُتِلَ کیفَ قدّرَ پھر اس کو خدا کی مار کیسی انکل دوڑائی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ثُمّ نظرَ. ثُمّ عبسَ وبسرَ۔ پھر غور کیا مگر کوئی بات دل کو نہ ٹھکی، پھر تیوری چڑھائی اور برا سا منہ بنالیا۔ ثُمّ اَدْبَرَ وَاسْتَکْبَرَ پھر پیٹھ پھیر لی اور اعتراض نہ کرنے کو اپنے لائق نہ سمجھا اور شیخی میں آگیا۔ فقالَ اِنْ ھٰذا اِلّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ پھر لگا کہنے، یہ تو بس جادو ہے جو نقل کیا جاتا رہے گا کہیں رکتا نظر نہیں آتا۔ کوئی اس کے جواب پر غور کرے اس نے زبان داں، فصیح و بلیغ ہونے کے لحاظ سے قرآن کی فصاحت و بلاغت پر کیا اعتراض کیا، کچھ نہیں، صرف چلتا جادو کہہ دیا۔ ظاہر ہے کہ انسان جب کسی چیز کو طاقت بشری سے خارج دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تو جادو ہے۔ طاقت بشری سے خارج تو اس نے مان لیا۔ ہاں معجزہ کے عوض جادو کہہ دیا۔ کیا وہ جادوگر تھا جادو کی حقیقت سے واقف تھا۔ کچھ نہیں جس فن کا وہ تھا، جس کا وہ ماہر تھا اس میں تو وہ مان گیا کہ قرآن کا مثل طاقت بشری سے خارج ہے۔ جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے۔ (اعجاز القرآن ص ۲۰)

اس تمہید کے بعد واضح ہوا کہ قرآن شریف، کلام اللہ ہے۔ اس کا طرز بیان شروع سے لے کر آخر تک معجز ہے۔ رسول کریم ﷺ ہر چند کہ افصح العرب والعجم ہیں۔ مگر کلام اللہ شریف سے حدیث شریف کا اسلوب بیان بالکل جدا ہے۔

حدیث شریف میں قرآن شریف کی کوئی آیت آجائے تو وہ صاف ممتاز ہو جاتی ہے کبھی حدیث شریف سے نہیں ملتی۔ پورے قرآن شریف میں قطعاً یکسانی ہے۔ دشمن سے دشمن بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا گو حدیث شریف میں بھی فصاحت کے لحاظ سے ایک مشترک اسلوب پایا جاتا ہے مگر وہ قرآن پاک سے بالکل مغائر ہے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۴۶ تا ۴۷)

قرآن شریف کچھ اور ہی شئے ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف حضرت رسول مقبول ﷺ کا کلام نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

ہمارے سامنے صدیق اکبر، فاروق اعظم، مظہر العجائب کے خطب ہیں۔ اللہ اور بندے میں جو فرق ہے وہی قرآن اور ان کے کلاموں میں ہے۔ خطیب ابن نباتہ مقامات بدیعی یا حریری اور دوسروں کے کلام کی حقیقت ہی کیا ہے۔ ایک نادان کہتا ہے کہ حریری بھی اعلیٰ درجہ کی فصاحت کا مالک ہے۔ حقیقۃً اس نے کلام فصحا، دیکھا ہی نہیں اس کو ڈھلی ہوئی اور سوہن کی ہوئی چیز میں تمیز نہیں۔ اسکو زندے اور مردے میں فرق نہیں۔ شریف مرتضیٰ کا کلام (نہج البلاغۃ) حریری سے زیادہ رتبہ رکھتا ہے۔ بدیعی کے اچھے فقرات کے سامنے پوری حریری، دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ (اعجاز القرآن ص ۱۱)

دودھ کے اجزاء معلوم ہو گئے، پانی، گھی، شکر، نمک اور کیا کیا، ذرا ان کو ملا کر پھر دودھ تو بنا دو۔ ناممکن۔ بہتر یا بہتر عناصر دریافت کر لئے گئے۔ اب کیا ہے سب کچھ معلوم ہو گیا۔ ذرا ان عناصر کو جوڑ کر تیتری کا پر تو بنا دو، ذرا گلاب کے پھول کی ایک پنکھڑی ہی تو بنا دو، ناممکن۔ مادۂ عناصر کا پیدا کرنا تو ایک طرف، ذرا خدا کی دی ہوئی کوئی صورت ہی بنا دو، تمہارا کام آرٹی فشل، مصنوعی۔ خدا کا کام نیچرل، فطرتی۔ اپنی قدرت کا عجز مادہ و مادیات میں آزما چکے اب ذرا تم جو بولتے ہو، وہی الفاظ لو اور ان سے قرآن کی ایک صورت کا مثل بنا دو۔ غیر ممکن، خارج از قدرت۔ بناؤ گے بھی تو وہی آرٹی فشل، مصنوعی، ناقص۔ کہاں تصویر کہاں صاحب تصویر کہاں مردہ کہاں زندہ۔

الفیل ماالفیل وما ادراک ماالفیل . لہ خرطومٌ طویل . وذنب و بیل ۔ کیا یہ القارعۃ کا جواب ہے استغفرُ اللہَ العظیم۔ خانہ عقلت خراب کیوں مسخرہ بنتا ہے کیوں اپنے آپ پر لوگوں کا ہنساتا ہے، جس طرح خدا کا فعل معجزہ ہے، اسی طرح اس کا قول بھی معجز ہے۔ تصویر یا مجسمہ بنا کر چڑیا کو دھوکا نہیں دے سکتے تو ان مہملات، واہیات و خرافات سے تو ہم کو دھوکا دے گا نعوذ باللہ ہرگز نہیں یہ سب الفاظ بلا

معنی ہیں۔ یہ تن بے جان ہے مردار ہے، جا اور اس کو خاک میں دبا آ۔ خدا کا کام بندے کے کام سے بالکل علیحدہ ہے، بالکل ممتاز ہے۔ اعجاز ہے اعجاز۔ (اعجاز القرآن ص ۱۱۔۱۲)

بعض کہتے ہیں کہ پورا سورہ قرآن کا معجز ہے۔ ایک دو آیتیں در اعجاز کو نہیں پہنچتیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سورہ انا اعطینک یا اس کے مماثل یعنی تین آیتوں کی مقدار بھی معجز ہے (اعجاز القرآن ص ۱۰)

جب قرآن شریف کلام اللہ ہوا، تو اس کی صفت ہوا۔ خدا تعالیٰ کے تمام اوصاف قدیم ہیں تو کلام اللہ بھی قدیم۔

قرآن شریف عربی زبان میں ہے، عربی زبان حادث، تو قرآن شریف بھی حادث ہونا چاہئے؟ عربی زبان حادث ہے عالم شہادت میں، علم الٰہی اور کلام الٰہی کے لحاظ سے قدیم ہے۔ دنیا میں جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ سب علم الٰہی میں ہے۔ لہٰذا دنیا کے تمام کلام قدیم ہیں۔ پھر قرآن شریف کی کیا خصوصیت؟ یوں اور آسمانی کتابیں بھی ہیں وہ بھی وحی ہیں۔ احادیث قدسی بھی خدا کا کلام ہے۔ پھر قرآن شریف کا مابہ الامتیاز کیا ہے؟ دوسری آسمانی کتابوں میں نیز احادیث قدسی میں معنی کا القا ہوتا ہے اور طرز بیان سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ علم و صورت علم یعنی کلام، دونوں قدیم ہیں ہم بالبداہیت دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف الفاظ کا مجموعہ ہے۔ الفاظ جنس اصوات یعنی آواز سے ہیں اور الفاظ و اصوات حادث ہیں۔ لہٰذا قرآن شریف بھی حادث ہے؟

اول تو تم کلام نفسی سے بے خبر ہو اس کو اصوات سے سمجھنا غلطی ہے دوم تم حادث، تمہاری زبان حادث، سیاہی، قلم، کاغذ سب حادث جس سے کلام اللہ کا تعلق ہو رہا ہے۔ یہ تمام تعلقات حادث۔ مگر کلام اللہ حادث نہیں۔ کیوں کہ یہ اس کے ظہورات ہیں۔ ظہورات کے حدوث سے اصل شئے کا حدوث لازم نہیں آتا۔

قرآن شریف میں انبیاء سابقین کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ واقعات و محکی عنہ پہلے ہوتے ہیں اور ان کا بیان و حکایت بعد۔ جب واقعات حادث ہیں تو ان کا بیان جو ان کے بعد ہے وہ بھی حادث ہے؟

یہ باعتبار ظہور کے ہے۔ علم الٰہی کے لحاظ سے، کلام نفسی کے لحاظ سے کلام اللہ قدیم ہے۔ تم جس کو بیان کہتے ہو وہ ظہور ہے۔

پروگرام پہلے ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق تقریریں ہوتی ہیں۔ ظہور تقاریر کے حادث ہونے سے اصل پروگرام یا تقریروں پر حدوث کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ان کا تصفیہ پہلے سے ہو چکا ہے یہ ان امور فیصل شدہ کا ظہور ہے۔

انسان اور انسان کے تمام اوصاف و افعال سب حادث ہیں۔ خدا کی ذات اس کے اوصاف و افعال سب قدیم ہیں۔ بظاہر حدوث کا جو شبہ ہوتا ہے وہ سب تعلقات کی وجہ سے ہے ظہور کے سبب ہے۔ حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ کو ظالموں نے مارا کہ قرآن شریف کو حادث کہیں۔ مگر آپ نے فرمایا کہ قرآن شریف قدیم ہے۔ یہ سب آلات ظہور ہیں۔ ان کے حدوث سے قرآن شریف حادث نہیں ہو سکتا۔ یہ سب لباس ہیں، مظاہر ہیں اور حادث ہیں اس سے اصل قرآن شریف پر کیا اثر ہوتا ہے (حکمت اسلامیہ ص ۴۷ تا ۴۸)

جبر و قدر: ایک شخص کے ہاتھ میں رعشہ ہے۔ اس کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا اور ایک شخص کا ہاتھ زخمی ہو گیا ایک دوسرے شخص نے اپنے دشمن پر وار کیا اور سر کو تن سے جدا کر دیا۔ پہلے شخص کی بے اختیاری، دوسرے شخص کا اختیار ظاہر ہے، ناقابل انکار ہے۔ مگر یہ بھی بولو! کیا انسان اپنے ارادوں میں آزاد ہے یا اس کا ارادہ خدائے تعالیٰ کے ارادے کا تابع ہے؟ انسان کا ارادہ اس کے تمام افعال سب خدائے تعالیٰ کے ارادۂ قدرت کے تابع ہیں کیونکہ بندہ کا ارادہ و فعل ممکن ہیں۔ ممکنات سے اور ایک ممکن دوسرے ممکن کو پیدا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حقیقۃً اعطاء وجود شان واجب ہے۔ ایک مظلم دوسرے مظلم کو کیا روشن کر سکتا ہے اور ایک مردہ دوسرے مردہ کو کیا زندہ کر سکتا ہے۔ تو پھر جبر ہے یا قدر؟ نہ جبر ہی ہے نہ قدر، بلکہ امر بین امرین ہے۔ کیونکہ جبر کی صورت میں خدائے تعالیٰ ظالم سمجھا جاتا ہے۔ قدر یعنی آزاد، اختیار و ارادہ بندے کا ہو تو ارادۂ الٰہی و ارادۂ بندہ کے اختلاف کی صورت میں اگر بندے کا ارادہ خدا کے ارادے کے اختلاف کی صورت میں اگر بندے کا ارادہ خدا کے ارادے سے مغلوب و تابع ہو جائے تو پھر وہی جبر ہوگا۔ یا تمام اشخاص کے ارادے آزاد ہیں تو دنیا کا کوئی نظام نہ رہے گا۔ اور بندہ کا ارادہ خدا کا مخلوق نہ ہوگا۔ جب بعض اشیاء غیر مخلوق ہوئے اور تمام اشیاء غیر مخلوق ہو جائیں تو کیا خرابی ہے؟ پھر خدا کا ماننا ہی بے ضرورت ہے۔

علت ناقصہ کے اعتبار سے مخلوقات کو اختیار ہے علت تامہ کے اعتبار سے مجبوری ہے۔

مولوی و متکلم کے پاس بندہ مختار ہے اور اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ صوفی کے پاس بندہ کو کچھ اختیار نہیں۔ اس کی نظر میں پروردگار ہے۔ یہ بات یاد رکھو کہ جبر خارجی قوت ہے دوسروں کو کام کرنے سے روکتا ہے۔ یہاں جبر نہیں استلزام ہے۔ حکمت بالغہ الٰہی کا تقاضہ ہے کہ دادا کے بعد بیٹا، بیٹے کے بعد پوتا ہے۔ یہاں زنجیر کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ اور مرتب و باقاعدہ ہیں۔ یہاں سلسلہ علت و معلول کے

مسئلہ میں بندہ کے فعل وارادہ کی بھی ایک کڑی ہے بہر حال لا جبر ولا قدر۔

مجسٹریٹ کی نظر میں مجرم فاعل مختار ہے اور سزا کا سزاوار ہے۔ فلاسفر کی نظر میں جس کی نظر مکمل سلسلہ علل یعنی علت تامہ پر پڑتی ہے مجبور و بے اختیار ہے۔ کیونکہ علت تامہ کے وجود کے ساتھ ہی معلول کا موجود نہ ہونا محال ہے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۴۸ تا ۵۰)

فلاسفر دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، دیکھ رہا ہے اور اس کے ہونے کو ضروری ہی سمجھتا ہے۔ صوفی کے حصے میں حیرت ہے۔ سب دیکھتا ہے اور ہنستا ہے اور جو پورے سلسلے سے ناواقف ہیں وہی اعتراض کرتے ہیں۔ مستحق کو اس کا حق دینا عین حکمت ہے جیسی جیسی قابلیت ظاہر ہوتی جائے گی، فیاض مطلق اس سے ویسے ہی آثار نمایاں کرے گا۔ تم کو رونا ہے تو اپنے آپ پر رو، ہاتھی کو بڑا سر دیا، سونگھنے، پکڑنے اور پانی پینے کے لئے ایک لمبی ناک بھی دی جو ہاتھ کا بھی کام دیتی ہے۔ صاحب نظر دیکھتا ہے اور ہاتھی کی فطرت کے مطابق اس کے نظام جسم کا لحاظ کرتے سونڈ کی بھی تعریف کرتا ہے۔ چھوٹی گردن کی بھی تعریف کرتا ہے۔

اللہ چور سے چوری ظاہر کراتا ہے نہ کہ اچھے خاصے آدمی سے چور کی طبیعت بیچ رہی ہے کہ مجھے پیدا کر۔ مجھ سے چوری ظاہر کرا اور اس کے ساتھ اس کے لوازم کو بھی نمایاں کر۔ (صدائے معرفت حق ص ۸)

ارادے کے بعد جو افعال ہیں ان میں اختیار ہے خواہ ارادہ اور ارادے سے پیشتر جو امور ہیں ان میں اختیار نہیں۔

کیونکہ اگر ارادہ بغیر ارادے کے نہ ہو، بلکہ ارادے سے ہو تو ارادے کے لئے ارادہ اور اس کے لئے ارادہ لازم ہوگا جو مستلزم تسلسل ہے۔

مقصد مراد وہی ہے جو مطلب ہے یار کا
میں اپنے اختیار میں بے اختیار ہوں

(حسرت)

بندے کو جزوی اختیار ہے کلی طور پر اختیار نہیں۔

بندے کو اس کے افعال کے لحاظ سے اختیار ہے۔ نظام عالم، تقدیر اور علم الٰہی کے لحاظ سے اختیار نہیں۔ اختیار مشہود و محسوس ہے۔ عدم اختیار معقول اور اس پر مبنی ہے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۵۰)

تقدیر میں کیا ہے، پہلے سے کسی کو معلوم نہیں۔ ہو جانے کے بعد تقدیر ظاہر ہوتی ہے جھوٹے حیلے کرنے والے نکمے، بے کار تقدیر کا عذر کرتے ہیں اور اس سے پناہ لیتے ہیں۔ اچھے لوگ کام کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں اور اس کی مقبولیت کی امید کرتے ہیں۔

بعض دفعہ تقدیر میں دعا وغیرہ کی شرط ہوتی ہے۔ دعا کرتے ہیں اور نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ دعا نہیں کرتے نتیجہ بھی ظاہر نہیں ہوتا مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ دعا کرنا یا نہ کرنا خود جزو تقدیر ہے۔ (تفسیر صدیقی، مقدمہ سورہ الفاتحہ ص ۴۴)

بہر حال جس کو ارادہ نہیں، اختیار نہیں ایسا شخص مجنون ہے اور وہ مکلف شرعی بھی نہیں۔

چونکہ ممکن، ممکن کو پیدا نہیں کر سکتا خواہ ذات ہو یا فعل لہٰذا مخلوقات، خالق فعل نہیں کاسب فعل ہیں۔

کسی شخص کو کسی فعل کا امر کیا جائے تو اس فعل کا اس شخص سے صادر ہونا ضرور نہیں خود فعل کو کن کا امر کیا جائے تو اس فعل کا موجود ہونا ضرور ہے۔

اگر کسی کام کا امر کیا جائے اور وہ کام مامور کے استعداد کلی اور حقیقت کے اقتضاء کے مناسب ہے تو پہلے اس کا ارادہ دیا جاتا ہے۔ پھر فعل کو کن کا حکم دیا جاتا ہے تو وہ فعل ظاہر ہوتا ہے۔

اگر کسی کو کسی فعل کا امر کیا جائے اور اس فعل سے اس کی حقیقت و طبیعت ابا کرتی ہے اور وہ فعل عین ثابتہ و حقیقت کے اقتضاء کے خلاف ہوتا ہے تو فعل کو نہ کن کا حکم دیا جاتا ہے نہ وہ فعل ظاہر ہوتا ہے ایسی صورت میں بھی اس شخص کو شرع شریف میں امر کیا جاتا ہے مگر اس سے غرض اس شخص کی عدم قابلیت کا اظہار ہوتا ہے نیز اس کی فطرت اس کی طبیعت بقوۃ تمام زبان حال سے ظہور فعل سے انکار کرتی ہے۔ گو زبان قال سے طلب فعل کرے پس حکیم مطلق مراعات اقتضاء حقیقت کرتا ہے۔ تبلیغ شقی ازلی و ابدی کی عدم قابلیت کو ظاہر کرتی ہے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۵۰ تا ۵۱)

ربط حادث بقدیم یا کیفیت جعل و خلق:

عبد و رب میں کیا ربط ہے اس کے متعلق لوگوں کی مختلف رائے و خیال ہیں۔ چند اہم رائیں اور خیالات یہاں بیان کئے جاتے ہیں:

ہیولیٰ و صورت:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں چند چیزیں ہیں۔ ہیولیٰ، صورت، زمان اور مکان۔ زمان و مکان کے لحاظ سے ہیولیٰ پر صورتیں آتی ہیں، یہ ہیولیٰ کی مختلف حالتیں ہیں۔ ان کے متعلقہ علم و قدرت ہیں۔ بھلا یہ تو بولو! دنیا میں صورتوں کے وارد ہونے کا کوئی نظام، کوئی سسٹم، کوئی نوامیس

فطرت اوران میں کوئی ترتیب، کوئی باقاعدگی بھی ہے یا دنیا یونہی بغیر ربط کے علت ومعلول کے، بغیر کسی ہم آہنگی کے چل رہی ہے؟

ہر کام کا الگ دیوتا:

بعض لوگ کہتے ہیں، کہ ہر کام کا ایک خدا جدا ہے۔ ان میں بعض نر ہوتے ہیں ان کو دیوتا کہتے ہیں اور بعض مادہ ان کو دیوی کہتے ہیں۔ ان کے اجتماع سے بچے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں ہمیشہ جنگ رہتی ہے، کوئی نیا کام نئی حالت نہیں پیدا ہوتی، جب تک پہلے کام کے خدا کو شکست اور نئے کام کے خدا کو فتح نہیں ہوتی، ان لوگوں کی نظر نہ عالم کے نظام پر پڑتی ہے نہ اتقان صنعت الٰہی پر۔ ان کے پاس دنیا کیا ہے؟ درندوں یا وحشیوں کا ایک جنگل ہے۔ سچ پوچھو تو یہ لوگ خدا کے معنی ہی نہیں سمجھتے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ.

صرف فیضانِ علمی کے قائل:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عالم کیا ہے، ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم کا فیضان ہے کہ ہو رہا ہے۔ اچھا تم ہو کون؟ اور تم میں اور خدا میں کچھ ربط ہے بھی یا نہیں۔ تم بذاتہ قائم ہو یا کسی پر تمہارا قیام ہے؟

مادّہ اور اس کے ظہورات:

بعض لوگ کہتے ہیں، صرف ایک مادّہ ہے اس کے تمام ظہورات ہیں۔ آخر مادے کی تعریف کیا ہے؟ طبیعات میں تو مادہ کے یہ خواص بتائے جاتے ہیں! استمرار یعنی ساکن ہے تو ہمیشہ ساکن، جب تک کوئی متحرک نہ کرے۔ متحرک تو ہمیشہ متحرک جب تک کوئی ساکن نہ کرے۔ تحیّز، جگہ گھیرنا، تقسیم قبول کرنا وغیرہ۔ کیا مادہ کی صفت ارادہ بھی ہے۔ کیا مادہ حرکت بالارادہ بھی کرتا ہے۔ حرکت بالارادہ تو مادے کی صفت ہی نہیں نہ اس کی شان سے علم ہے، ہم کو تو علم ہے، ارادہ ہے، ہم بالارادہ حرکت کرتے ہیں شاید تم تن بے جان ہو۔ ہم زندہ ہیں اور علم بھی رکھتے ہیں۔ تمہارے خیال میں نہ تم زندہ ہو نہ صاحب علم۔

اہلِ تجسیم:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمام عالم کے مجموعے کا نام خدا ہے۔ عالم شہادت بمنزلۂ تن ہے اور عالم ارواح بمنزلۂ روح ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک چیز فنا ہو جائے تو کیا خدا میں سے کچھ کم ہو جاتا ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ خدائے تعالیٰ وجود بالذات ہے۔ نا قابل فنا ہے۔ وہ الآن کما کان ہے۔ نا قابل تغیر ہے۔ وہ کامل ہے۔ ناقص میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔ یہ اہل تجسم ہیں۔ ان کو مجسمہ کہتے ہیں۔

اہلِ تشبیہ:

بعض لوگ کہتے ہیں، اللہ تمام مخلوقات سے جدا ہے عرش پر بیٹھا ہوا ہے، وہیں سے ان کا تماشا دیکھتا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ کے لئے تمام اعضاء ولوازم بشری ثابت کرتے ہیں یہ لوگ عالم مثال سے واقف نہیں۔ شان احدیت، بیچونی، تنزیہ کو جانتے ہی نہیں۔ یہ اہل تشبیہ ہیں ان میں سے ایک کو مشبّہ کہتے ہیں۔

کیا عبد و رب میں کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ تعلق ہے تو کیا دونوں عین اور ایک ہیں؟ عین اور ایک ہیں تو ایک قدیم اور ایک حادث کیا؟ اس الجھن کے سلجھانے میں ہر ایک نے حتی المقدور کوشش کی۔ مگر اس کی معرفت میں جاہل کو بھی حیرت ہے اور عارف کو بھی حیرت ہے۔

تو ہم ہے تو ہم ہے نہ قلت ہے نہ کثرت ہے
نہ سمجھیں یہ تو حیرت ہے جو سمجھیں یہ تو حیرت ہے

(حسرت)

رب الگ عبد الگ:

بعض تو یہ سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایک لفظ "کن" فرما کر تمام مخلوقات کو نیست سے ہست کر دیا۔ رب الگ ہے اور عبد الگ۔ رب قدیم ہے، بالذات موجود ہے۔ بندہ حادث ہے، اس کا وجود بالعرض ہے۔ "کن" کا مخاطب کون تھا؟ تاویل۔ وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ تاویل۔ اینما تولو فثمّ وجه الله تاویل۔ وهو معكم۔ تاویل جو بات سمجھ میں نہیں آتی جس کی توجیہہ نہ کر سکے، تاویل۔ یہ طریقہ معتزلیوں کا ہے۔ ماتریدی واشعری بھی اس کے قریب قریب ہیں۔ (تمہید فص نوحیہ شرح فصوص الحکم ص ۴۶-۴۷)

"خدا اور بندے میں آخر کیا تعلق ہے؟"

نجار اور میز:

کیا ایسا تعلق ہے جیسا کہ اس میز کو نجار سے ہے کہ میز نجار سے جدا ہے۔ نجار نے لکڑی کے تختے صاف کر کے کیلوں سے جڑ دیئے۔ پائے خراط پر چڑھا کر لگا دیئے۔ میز میں خانے۔ خانوں کو دستے لگا دیئے۔ اوپر بانات کا فرش کر دیا۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ میز بن جانے کے بعد نجار کی محتاج نہیں۔ ممکن واجب کا بندہ خدا کا ہر آن ہر لحظہ محتاج ہے۔ ممکن سے اس کی احتیاج ذاتی کبھی دور نہیں ہو سکتی۔

انڈہ اور چوزہ:

کیا واجب اور ممکن میں ایسا ربط ہے جیسا انڈے اور چوزے میں ہے کہ انڈہ ہی چوزہ ہو گیا ہے؟ خدا ہی بندہ بن گیا ہے؟ استغفر اللہ العظیم یہ استحالہ ہے۔ انقلاب حقیقت ہے۔ خدائے تعالیٰ الآن کما کان ہے۔ ناقابل تغیر ہے۔ عیوب و رذائل سے پاک ہے۔

جز و کل:

کیا خدا کل اور تمام اشیاء اس کے اجزاء ہیں؟ اعوذ باللہ انتفاء جز سے انتفاء کل لازم آتا ہے۔ کل جز کا اپنے وجود و تحقق میں محتاج ہے۔ اول اجزاء ہیں تو پھر کل ہے۔ ہزار ہزار عالم فنا ہو جائیں، اس کی ذات سامی سمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واجب سب کا محتاج الیہ ہے وہ کسی کا محتاج نہیں۔

ممکن بود امکاں کہ ہمہ عجز و نیاز ست
سرمایۂ دولت چہ سلاطیں چہ خدم را

حال و محل:

کیا واجب حال اور ممکن محل ہے؟ تو بہ تو بہ محل کے انقسام سے حال بھی منقسم ہو جاتا ہے۔ محل حال کا محتاج الیہ ہوتا ہے۔ ممکنات کے کون و فساد بننے بگڑنے سے واجب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واجب بالذات کامل ہے اس کا کمال ازلی و ابدی ہے۔ (حکمت اسلامیہ ۵۱، ۵۲)

دریا اور موج:

کیا ممکن و واجب ایسے ہیں جیسا دریا اور موج؟ موج دریا پر قائم ہیں اور اس کی محتاج۔ اگر دریا نہ ہو تو موج بے پتہ ہو۔ دریا سے موجیں اٹھتی ہیں۔ کوئی چھوٹی ہوتی ہے، کوئی بڑی۔ بڑی موج چھوٹی موج کو نگل جاتی ہے۔ کشتیوں کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ کوہ پیکر جہازوں کے سامنے سدِ سکندری بن کر کھڑی ہوتی ہیں یہ موجیں کہاں تھیں؟ دریا میں پھر کہاں چلی جائے گی؟ دریا میں کیا موجوں کے حدوث سے دریا کا حدوث لازم آتا ہے؟ نہیں موجوں میں تغیر تبدل ہوتا ہے، دریا جوں کا توں ہے۔ موج لاکھ سر اٹھا اٹھا کر ادعائے وجود کرے مگر وہ پابر ہوا ہے اور اس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ کہاں وجود بالذات کہاں وجود بالغیر؟ اسی طرح عالم اور عالم میں جو کچھ ہے سب وجود کا نمونہ ہے ظہور عالم حادث ہے۔ وجود حق قدیم۔ عالم وجود حقیقی کا محتاج ہے اور وجود حق محتاج الیہ۔ یہ تمثیل بھی ذات حق پر من کل الوجوہ منطبق نہیں، دریا کل ہے، موج جز۔ جز سے انتفاء کل لازم آتا ہے۔ (المعارف حصہ اول ص ۵۶)

دریا کی موجیں ہوا کے تحرک سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں خدا کے سوا خارج میں ہے کیا کہ آ کر ملے اور مخلوقات کو پیدا کرے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۵۲)

مکڑی اور مکڑی کا جالا:

کیا واجب اور ممکن ایسے ہیں جیسے عنکبوت و نسج العنکبوت یعنی مکڑی اور اس کا جالا کہ مکڑی اپنے پیٹ سے ایک نسرج لیس دار مادہ نکال کر جالا بنتی ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ خدا کی ذات سے کوئی شئی خارج ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی ذات عین وجود ہے۔ اس سے خارج صرف عدم ہے، جو موجود ہو ہی نہیں سکتا۔ نیز مکڑی مر جاتی ہے۔ اور جالا باقی رہتا ہے ممکن کا بغیر واجب کے موجود رہنا قطعاً ناممکن۔ (حکمت اسلامیہ ص ۵۲)

اک آن امداد وجود موقوف ہو جائے تو عالم درہم برہم ہو جائے، نہ تم رہو نہ ہم، زمین رہے نہ آسمان۔ اک بُو کا سماں رہ جائے۔ سارا عیاں نہاں ہو جائے؟ موجود مفقود ہو جائے۔ عالم عدم ہو جائے۔ (المعارف حصہ اول ص ۴۸)

تخم و شجر:

کیا ایسا ہے جیسے تخم و شجر کہ پہلے مجمل تھا اب مفصل شجر ہو گیا ہے؟ ہرگز نہیں تخم و شجر میں بھی استحالہ ہے شجر ہو جانے کے بعد اب تخم کہاں رہا۔ (حکمت اسلامیہ ص ۵۲)

ذرا تخم و درخت پر غور کرو۔ درخت میں جتنی چیزیں ہیں۔ ان میں سے کیا چیز تخم میں نہ تھی؟ درخت میں تفصیلاً ہیں تخم میں اجمالاً تھیں، پہلے نہاں تھیں اب عیاں ہو گئی ہیں۔ ذرا یہ بھی تو بولو کیا جڑیں تنہ ہیں؟ یا پتے ڈالیاں، یا پھل پھول۔ کیا پھل کا کام پھول سے لے سکتے ہیں یا جڑ کا کام پتے

سے، یہ کیا حماقت ہے؟ بڑی ہی بدتمیزی ہوگی، اگر کوئی آم کو املی سمجھے یا کچلے کو جدوار۔ کوئی کچلے کو جدوار کہہ کر کھا تو لے پھر اس کا مزہ چکھے۔

اسی طرح گو وجود بسیط ہے۔ ایک ہے مگر وہی ہژدہ ہزار عالم میں جلوہ گر ہے۔ باطن ہی ظاہر ہوگیا ہے۔ واحد ہی کثیر بن گیا ہے۔ تفصیل کا مرجع اجمال ہی ہے۔ کثرت کا منبع وحدت ہی ہے۔ مگر نہ وحدت کثرت ہے، نہ کثرت وحدت۔

توہم توہم نہ قلت نہ کثرت ہے
نہ سمجھیں یہ تو حیرت ہے جو سمجھیں یہ تو حیرت ہیں

(حسرت)

مگر اس مثال پر کوئی غور کرے۔ پانی، حرارت شمس، مٹی، کوئلے کی ہوا (کاربانک ایسڈ گیس) جس کو انسان تنفس سے خارج کرتا ہے۔ وہی درخت کی غذا بن کر اس کو بڑھاتے ہیں نشو نما دیتے ہیں۔ یہاں وجود کے سوا ہے کیا جو آکر ملے اور عالم بنے۔ درخت میں تخم کا استحالہ ہو گیا ہے۔ اب تخم کہاں ہے وہ تو بے نشان ہو گیا۔ نعوذ باللہ، استغفر اللہ کیا خدا عالم بن کر نیست و نابود ہو گیا؟ یا بے پتہ ہو گیا؟ وہ الآن کما کان ہے وہاں نیستی کو راہ نہیں استحالے کا گذر نہیں عدم کو قدم نہیں۔ (المعارف حصہ اول ص ۵۰،۴۹)

کلی جزئی:

کیا خدا کلی اور اشیاء جزئیات ہیں؟ ہر گز نہیں۔ کلی انتزاعی و اعتباری شئے ہوتی ہے جو جزئی سے منتزع سمجھی جاتی ہے۔ خدا بالذات موجود ہے۔ حقیقی وجود ہے۔ خدا اور انتزاعی؟ نعوذ باللہ۔ (حکمت اسلامیہ ص ۵۳)

وجودِ حقیقی اپنے وجود میں، جو اس کا ذاتی ہے بلکہ جو ذات ہے دوسروں کا محتاج نہیں۔ اگر وجودِ حقیقی کلی اور موجودات اس کے جزئیات ہوں تو وجود کا دوسرے کی طرف یعنی تشخص و تعین کی طرف احتیاج لازم آتی ہے۔ تعالی اللہ عما یصفون (المعارف حصہ دوم ص ۵۲)

مرأت و عکس و شخص:

کیا خدا شخص اور بندہ اس کا عکس ہے؟ ہر گز نہیں۔ یہاں خدا کے سوا بالذات ہے کیا کہ مرأت بنے اور عکس دکھائی دے۔ وجود ہی شخص ہے خود ہی عکس ہے خود ہی مرأت ہے۔ پھر نہ شخص عکس ہے نہ آئینہ شخص ہے نہ اس کے برعکس ہے۔

اچھا تو آخر میں کچھ ہوں بھی یا کچھ بھی نہیں؟

اگر تم ہو تو شرک فی الوجود لازم آتا ہے وجود جزئی حقیقی ہے نا قابل تکثر ہے۔ اور منحصر ذاتِ حق میں ہے بلکہ عین ذات ہے تم نہیں ہوں تو یہ بولتا کون ہے اور عیوب و نقائص کس کی ذات سے نمایاں ہیں؟ کیا ذات حق سے؟ نعوذ باللہ وہ کامل و اکمل ہے، وہ عین وجود ہے، جو خیر محض ہے۔

کیا وجود عدم ہو گیا ہے؟ یہ تو انقلاب حقیقت ہے کیا عدم میں وجود کا جلوہ ہے؟ سبحان اللہ عدم ہے ہی کیا کہ اس میں وجود کی جلوہ گری ہو ببثبت العرش ثم انقش کیا میں نہ نیست ہوں نہ ہست؟ یہ تو ارتفاع نقیضین ہے۔ آخر اس معمہ کا حل، اس پہیلی کی بوجھ کیا ہے؟ (حکمت اسلامیہ، ص ۵۳)

میں کون ہوں اور کیسا ہوں؟

میں، میں ہوں۔ تو کیا میں محمد عبد القدیر نہیں ہوں؟ کس نے کہا کہ نہیں ہوں؟ بات یہ ہے کہ جتنے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، وہ مقابل کے لحاظ سے ہیں صرف ایک لفظ "میں" ہے کہ وہ کسی کے مقابل نہیں ہے۔

مولوی محمد الیاس برنی صاحب کے لحاظ سے دیکھو تو محمد عبد القدیر ہوں، وہ الیاس ہیں تو میں حسرت ہوں، وہ فاروقی ہیں تو میں صدیقی ہوں، وہ بلند شہری ہیں تو میں حیدر آبادی ہوں۔ وہ جوان ہیں تو میں کہل ہوں، وہ ناظم دار الترجمہ ہیں تو میں وظیفہ یاب صدر شعبہ دینیات ہوں۔ باوجودیکہ ہم دونوں باہم دوست ہیں، جامع عثمانیہ کے متعلقین سے ہیں، ہم مذہب ہیں، ہم مشرب ہیں، ہم خیال ہیں اور پھر چند امور کا مقابلہ کیا گیا ہے مگر کتنے جواب بدل کر دیے گئے۔

اب کسی جانور سے مقابلہ کرو تو انسان ہوں، درخت سے مقابلہ کرو تو حیات ظاہری رکھتا ہوں، حساس ہوں، پتھر سے مقابلہ کروں تو نامی ہوں نشو و نما پاتا ہوں، فرشتے کے مقابل جسم ہوں، رنگ و بو کے مقابل جوہر ہوں، واجب سے نسبت دو تو ممکن ہوں، رب کی طرف اضافت کرو تو عبد ہوں، میں سلطنت بدن کا سلطان ہوں، دل میرا تخت سلطنت ہے، دماغ میری کرسی حکومت ہے، حس مشترک میرا دار المطالعہ، حافظہ کتب خانہ ہے، خیال سیر گاہ ہے، متخیلہ شکار گاہ اعضاء میری رعایا ہے عقل میرا صدر اعظم ہے، غضب صدر المہام افواج ہے، زبان صدر المہام سیاسیات ہے، ضمیر صدر المہام عدالت ہے، مادہ صدر المہام مالگزاری ہے، جگر صدر المہام فینانس ہے، علم مہتمم روشنی و برقیات ہے،

عصاب، منتظم تار برقی و ٹیلی فون ہیں۔

تقویٰ میرا لباس ہے، عفت میرا ازار ہے۔ ایمان میرا تاج ہے، صدق میرا کمر بند ہے، حمیت میری تلوار ہے، صبر میری سپر ہے، توکل میرا عصا ہے، ہمت میری بندوق، محبت میری شراب ہے، اطمینان میری مسہری، جس میں لیٹتا اور آرام لیتا ہوں۔ کیا سلطنت اور کیا سلطان؟ میں مرقاۃ من عرف ہوں۔ میں تصویر رحمان ہوں۔ قلب میرا عرش ہے۔ دماغ میری کرسی ہے، حافظ لوح محفوظ ہے، خیال مثال و حواس ملائکہ ہیں، اعصاب سماوات ہیں، قویٰ طبائع ہیں، اعضا عناصر ہیں، حیات مجھ میں ہے، علم میرا مابہ الامتیاز ہے، سمع و بصر، ارادہ و قدرت میں رکھتا ہوں، کلام سے میرا احترام ہے۔

کون سی شے ہے نہیں جو مجھ میں
اک طلسمات کا پتلا ہوں میں
کیا ملک میری حقیقت کو سمجھتے علوی
ان کا استاد نہ سمجھا وہ معمہ ہوں میں

(حسرت)

اُو! ''میں'' پیارے ''میں''! طفلی تو میرے ساتھ تھا۔ جوانی میں تو میرے ساتھ تھا، کہولت میں تو ساتھ ہے، پیری میں تو ساتھ رہے گا۔ دانت گر کر جدا ہو جائیں، ہاتھ پاؤں کٹ کر علیحدہ ہو جائیں مگر تو جدا نہ ہوگا۔ مرنے کے بعد عمر بھر کا ساتھی تن بھی ساتھ چھوڑ دے گا، مگر تو کبھی ساتھ نہ چھوڑے گا۔ لڑکپن میں تو چھوٹا نہ تھا، جوانی میں بڑا نہ ہوا۔ بڑھاپا تجھے ضعیف نہ کر سکے گا۔ کیا تو حیات ہے! یا علم و قدرت ہے؟ یہ تو میرے صفات ہیں۔ کیا تو ارضی ہے یا سمائی؟ قوی ہے یا ضعیف ہے؟ کالا ہے یا گورا؟ خوبصورت ہے یا بدشکل؟ زنجیر قیود میرے پائے فلک فرسا میں ہرگز نہیں پڑ سکتی۔ تو کہاں ہے، کہاں نہیں ہے؟ کب سے ہے اور کب تک رہے گا؟ کمند مکان و زمان میرے مقبر عظمت کے کنگرے تک نہیں پہنچتی۔ سچ کہنا آخر تو کون ہے؟ اور کیا ہے؟ ''میں'' صرف ''میں'' ہوں۔ ساحت علم الٰہی میں میرے سامنے رویت ممکنہ کا آئینہ آ گیا ور میں اس کے اقتضاء کے موافق حباب سر دریا معلوم ہونے لگا۔ پھر مثال میں صورت دامن گیر ہوئی پھر ناسوت میں وزن بار دوش ہو گیا۔ سب کچھ ہوا مگر اب بھی ''میں'' صرف ''میں'' ہوں۔

موج دریائے ارادہ ہوں میں
حیرت انگیز روانی میری

(حسرت)

او میری جان! ''میں'' میری جان کی جان! ''میں'' میں بھی تیرے سوا کسی کو نہیں چاہتا، نوکر چاکر میرے معین و مددگار ہیں، بیوی اپنی عزت آبرو تجھ پر قربان کر دی۔ اس لئے وہ مرکز محبت ہے، اولاد تیری چلتی پھرتی تصویر ہے، بدن تیرا گھوڑا ہے جس پر تو میدان علم تفصیلی و شہادی میں پنی شہہ سواری دکھاتا ہے دوسری اکثر چیزیں تیرے گھوڑے کی خاطر ہیں غرض کہ میں جس کو چاہتا ہوں تیرے لئے ہی چاہتا ہوں تو اصل ہے ور دوسرے فرع۔ تو مطلوب ہے اور دوسرے طفیلی۔

اسیر دام گیسوئے محبت آپ اپنا ہوں
جو حب غیر ہے وہ بستہ زنجیر نسبت ہے

(حسرت)

''میں'' ہوں ''میں'' اے پیارے ''میں'' واہ رے ''میں'' اللہ رے میں کچھ بھی نہ ہوں، پرواہ کیا ہے تو تو ہے اے پیارے ''میں'' (حسرت) (المعارف حصہ اول، ص ۴ تا ۸)

یہ بات تو معلوم ہو چکی ہے کہ اعیان ثابتہ معلومات الٰہیہ ہیں اور یہ بھی کہ وہ موجود فی الخارج نہیں، خارج میں سوائے ذات حق کے کوئی نہیں تو دو سوال پیدا ہوں گے اول کیا اعیان ثابتہ مجعول او مخلوق ہیں؟ دوم کیا ان پر احکام خارجیہ مترتب ہوتے ہیں؟ اور اس کی کیفیت کیا ہے۔

ان کا جواب یہ ہے کہ اعیان ثابتہ پر آثار مرتب ہونے کے لئے صرف معلوم حق ہونا کافی نہیں بلکہ حقائق و اعیان سے اسمائے الٰہیہ کو ربط بھی ہو یا یوں کہو کہ اسماء و صفات الٰہیہ نسبت خاصہ سے مجتمع ہو کر عین ثابتہ پر تجلی فرمائیں۔

واضح ہو کہ عین ثابتہ کے ظہور کے لئے ایک اسم الٰہی کی تجلی ضرور ہے اگر عین ثابتہ کلی ہوگا تو اسم الٰہی بھی کلی ہوگا۔ عین ثابتہ جزوی تو اسم الٰہی

بھی جزوی ہوگا۔ عام ہوتو عام، خاص ہوتو خاص، عین ثابتہ کو مربوب اور اسم الٰہی کو اس کا رب۔ عین ثابتہ کو مظہر اور اسم الٰہی کو ظاہر یا اس کا مظہر کہتے ہیں۔ یہ اسم الٰہی امہات الاسماء، وصفات سے مرکب ہوتا ہے۔ امہات الصفات مختلف نسبتوں سے باہم ملتے ہیں تو مختلف مرکب اسماء و صفات متولد و جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ان اسماء کے مختلف طبائع و آثار ہوتے ہیں عین ثابتہ اسم الٰہی سے مظہر، ظاہر سے، مربوب، رب سے ملتا ہے تو مخلوق پیدا ہوتا ہے یا یوں کہو کہ عین ثابتہ ہر حیات و علم، سمع و بصر، قدرت و ارادہ و کلام کا بہ نسبت خاصہ پرتو پڑتا ہے تو وہ موجود ہوتا ہے۔

☆☆☆

حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ

اور ان کا عہد

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب تحریر: محمد رفیع سیالوی

صحیح روایات کے مطابق قدوۃ العاشقین حضرت قبلہ شمس الحق والدین سیالوی قدس سرۃ العزیز کی ولادت باسعادت ۱۲۱۴ھ میں ہوئی اور ۸۶ سال کی عمر میں ۱۳۰۰ھ میں وصال فرمایا۔ عیسوی سن کے مطابق یہ انیسویں صدی کا دور بنتا ہے۔ جو لوگ تاریخ ہندوستان سے واقف ہیں۔ ان پر مخفی نہیں کہ یہ دور اُمت مسلمہ کیلئے کتنا جانکاہ اور صبر آزما تھا۔ وہ قوم جس نے تعداد کی قلت کے باوجود اپنی جرأت، سیاسی بصیرت، عملی برتری، اخلاقی بلندی اور قوت ایمانی کے باعث ہندوستان پر آٹھ سو سال تک حکومت کی تھی۔ آج وہ حوادثات دہر سے خوف زدہ اور ہراساں تھی۔ محمود شہاب الدین التمش، بابر، اورنگ زیب علیہم الرحمۃ کے وارث اپنے عظیم اسلاف کی صفات سے یکسر محروم ہو چکے تھے۔ عیش کوشی، سہل انگاری جاہ طلبی اور سیم وزر کی محبت نے انہیں ناکارہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اس صدی میں مغلیہ سلطنت کا آفتاب غروب ہونے والا تھا۔ ہندوستان کی وسیع و عریض اسلامی مملکت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ کر رہ گئی تھی۔ فرنگی استعمار اسلام کے ان قلعوں کو یکے بعد دیگرے بڑی آسانی سے مسمار کرتا ہوا فخر البلاد دہلی کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔

پنجاب کی حالت سب سے زیادہ خستہ تھی۔ مرکز سے کٹ جانے کے بعد اس کی حیثیت بے جان لاش کی سی تھی۔ جسے چیلیں گدھ اور کتے آپس میں بانٹ رہے ہوں۔ ہر علاقہ میں ایک خود مختار حکومت قائم تھی۔ ہر قابل ذکر شہر کسی نہ کسی طالع آزما رئیس کی راجدھانی بن چکا تھا۔ ان کے درمیان رقابتوں کی آگ ہر وقت بھڑکتی رہتی تھی۔ ایک دوسرے سے برافروختگی اور برہمی کا یہ عالم تھا کہ وہ مشترکہ خطرہ کے مقابلہ میں بھی متحد ہونے کیلئے تیار نہ تھے۔ ان حالات میں سکھوں نے اپنی قلیل تعداد کو منظم کر کے ان کمزور اور باہم برسرِ پیکار رئیسوں کو تاڑنا شروع کر دیا اور ایک ایک کر کے ان کے علاقوں پر قبضہ کرتے چلے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کئی سکھ ریاستیں رونما ہو گئیں۔ ان خود غرض اور عاقبت نااندیش نوابوں اور رئیسوں کی سزا مسلم رعایا کو مل رہی تھی۔ مسلمانوں کے دل آزادی اور ان کی تذلیل سکھوں کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ سارا ملک لاقانونیت کی زد میں آ گیا۔ تمام مظالم کا تختہ مشق مسلمان تھے۔ انہی کے گھر لٹے جاتے انہی کی بستیاں تاراج کی جاتیں۔ انہی کے گھر جلائے جاتے۔ انہی کی مساجد اور عبادت گاہوں کو اصطبلوں میں تبدیل کر دیا جاتا۔

افغانستان اپنی داخلی خانہ جنگی میں اس قدر مصروف تھا کہ اس کے حکمران نہ دہلی کے مغل بادشاہ کی کوئی امداد کر سکے اور نہ ہی پنجاب کے مظلوم مسلمانوں کی فریاد رسی کر ان کی مدد کو پہنچ سکے۔ جن حکمرانوں نے برصغیر کے حالات کو درست کرنے کیلئے اقدامات کئے وہ ادھورے اور ناکافی تھے۔ ادھر وہ پنجاب میں سکھوں کی بغاوت کو کچلنے کیلئے کابل سے روانہ ہوئے۔ پیچھے سے ان کے دشمن بغاوت کا پرچم لہرا دیتے چاروناچار اس حاکم کو پھر واپس لوٹنا پڑتا۔ سارا ہندوستان طوائف الملوکی کا شکار تھا۔

تاریخ کی بوالعجبیوں پر جب نظر پڑتی ہے تو انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ ۱۷۹۹ء ہی وہ سال ہے جس میں دُنیائے اسلام کے بطل جلیل سلطان ٹیپو اس ملک کو انگریزوں کے ناپاک تسلط سے بچانے کی مجاہدانہ کوششوں میں جام شہادت نوش کرتا ہے۔ ۱۷۹۹ء ہی میں رنجیت سنگھ لاہور پر قبضہ کرتا ہے۔ آپ اندازہ فرمائیے کہ یہ لمحے اُمت مسلمہ کیلئے کتنے کربناک اور مایوس کن ہوں گے لیکن رحمت الٰہی نے مایوسیوں کے گھپ اندھیروں میں امید کا چراغ روشن کرنے کیلئے اسی سال ۱۷۹۹ء میں سیال کی ایک چھوٹی سی بستی میں حضرت شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا فرمایا۔

حضرت کے آباواجداد پشتہا پشت سے دُنیاوجاہت اور علم دونوں میں بڑے ممتاز تھے۔ حضرت کے جد اعلیٰ حضرت شیر کرم علی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ قادریہ کے ایک شہباز لامکانی حضرت موسیٰ پاک شہید ملتانی قدس سرہ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے پشاور میں ایک فاضل روزگار سے علم کی تکمیل کی۔ وہاں سے اپنے استاد کی معیت میں حج بیت اللہ شریف کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے پھر محبوب رب العالمین رحمۃ للعالمین ﷺ کے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے۔ بارہ سال تک نعمت حضوری اور شرف عتبہ بوسی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ بارگاہ نبوی ﷺ سے بغداد جانے کا حکم ملا۔ کچھ عرصہ حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کے در کرم پر محو ریاضت رہے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے عالم خواب میں آپ کا ہاتھ حضرت موسیٰ پاک شہید کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہاں سے ملتان پہنچے مرشد کامل پہلے ہی شدت سے انتظار فرما رہے تھے۔ فوراً سینہ سے لگا لیا۔ شرف بیعت بخشا خرقہ خلافت مرحمت فرمایا۔ عرصہ تک مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک نوے (۹۰) سال تھی۔ پیر کامل نے وطن واپس جانے اور شادی کرنے کا حکم دیا۔ ایک عظیم المرتبت فرزند کی بشارت دی۔ آپ اپنے آبائی وطن قصبہ دھول پہنچے وہاں آپ کا کوئی پہچاننے والا موجود نہ تھا۔ عزیز و اقارب فوت ہو چکے تھے۔ نئی نسل کو آپ کے متعلق خبر تک نہ تھی۔ چنانچہ وہاں سے رخصت ہو کر ایک جنگل میں قیام فرمایا اور وہاں سیال نامی بستی آباد کی جس کے مقدر میں اس علاقہ کی تاریخ کو نیا عنوان بخشنا رقم تھا۔

چنانچہ اس فرخندہ روزگار کی نسل پاک سے اقلیم معرفت کا تاجدار میدان جود و عطا کا شہسوار کاروانِ عشق و مستی کا قافلہ سالار مطلع ہدایت کا

نیہ تاباں خضر گم کردہ راہاں، مسیحا نفس تاج الاولیاء فخر الاتقیاء خواجہ خواجگان محمد شمس الدین ازام اللہ تعالیٰ برکاتہ عمت فیوضہ کا تولد ہوا۔ حضرت کے والد بزرگوار کا اسم گرامی میاں محمد یار ابن میاں محمد شریف ابن میاں برخوردار بن میاں تاج محمود بن میاں شیر کرم علی علیہم الرحمۃ الغفران ہے۔ حضرت والا گھر کا سلسلہ نسب پچاس واسطوں سے حضرت عباس علمدار شہید کربلا رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حضرت جنت بی بی رحمۃ اللہ علیہا تھا۔ آپ پوہلہ گاؤں کی تھیں جو سیال شریف سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ قرآن کریم کی حافظ تھیں۔ عبادت و ریاضت میں شب و روز مصروف رہتیں۔ آپ نے ایک درس قرآن جاری کر رکھا تھا۔ جس میں بچیاں قرآن کریم یاد کرتی تھیں۔ آپ خود تدریس کے فرائض انجام دیا کرتیں۔ آج بھی موضع پوہلہ میں عورتیں بکثرت حافظ قرآن ہیں۔ یہ آپ کا ہی فیضان ہے جب اس نور ولایت کی امانت آپ کے بطن مبارک میں منتقل ہوئی تو ذکر و عبادت کے معمولات میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ شب و روز بکثرت درود شریف زبان پر جاری رہتا۔ سونے سے پہلے ہر شب اکتالیس بار سورۃ یٰسین تلاوت فرماتیں۔ تین ہمشیرگان کے بعد حضرت میاں محمد یار رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہ آفتاب طلوع ہوا۔ جس نے ان گنت تیرہ بختوں کو بلند اقبال کیا۔ جس نے بے شمار غافل دلوں کو ذکر الٰہی کی لذت سے بہرہ ور کیا جس کے یمن و برکت سے ہزاروں سالکان راہ محبت کو منزل وصل تک رسائی نصیب ہوئی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نور باطن سے نوازا تھا جب وہ اس خورد سال نونہال کو دیکھتے تو دست بستہ سراپا ادب بن کر کھڑے ہو جاتے۔

آپکے چچا حضرت میاں احمد یار صاحب کی شادی لالی قوم کی ایک خاتون سے ہوئی تھی۔ اُن محترمہ کے والد روشن ضمیر درویش تھے۔ ان کا اسم گرامی میاں نور نبی تھا۔ ایک دفعہ وہ اپنی بچی سے ملنے کیلئے سیال شریف آئے اس وقت حضرت کم سن تھے مگر آنگن میں گھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ آپ کی جبین سعادت پر جونہی نگاہ پڑی از راہ ادب کھڑے ہو گئے۔ کسی نے پوچھا اس طفل صغیر کے سامنے ایسی تعظیم بجالانے کا کیا مطلب؟

اس درویش نے کہا کہ تم اس بچے کی شان کو پہنچانتے نہیں اس کی پیشانی پر اسم اعظم لکھا ہے۔ جب یہ اپنے مرتبۂ کمال پر فائز ہوگا تو اپنے روحانی فیوض و کمال سے ایک عالم کو سیراب کر دے گا۔ اور اس کے دروازے پر صدہا باکمال دست بستہ کھڑا ہونا باعث سعادت سمجھیں گے۔

میاں نور نبی صاحب نے اپنی بیٹی کو کہا میں نے دعا مانگی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بچی عطا فرمائے۔ تم اپنی بچی کا رشتہ اس کو دینا تاکہ قیامت کے روز میں بھی اس مرد کامل کے رشتہ داروں میں اُٹھایا جاؤں میاں محمد اکرم صاحب لغاری جو موضع دین پور کے بزرگ تھے ان کا واقعہ آپ بھی پڑھیں گے۔ آج دوسرے رسائل فلمی ایکٹریسوں کے ہیجان خیز تصاویر سے اپنے صفحات مزین کرتے ہیں۔ ضیائے حرم عاشقان حسن لم یزلی کے ذکر جمیل سے اپنے صفحات کو منور کرنا وقت کی اہم ضرورت سمجھتا ہے۔ لوگ سیاسی لیڈروں، سرمایہ دار صنعت کاروں کے گن گاتے ہیں۔ ضیائے حرم ارباب وفا کے تذکروں سے قلب کی پاکیزگی نفس کی طہارت اور سیرت میں پختگی پیدا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ آج ان مردان پاک باز کی للّٰہیت و اخلاص راہ حق پر استقامت و ثبات کی یادوں کو تازہ کرنا از بس ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس اہم ترین کام کی توفیق دے۔ آمین

حضرت میاں محمد یار علیہ الرحمۃ اکلوتا فرزند ارجمند جمال ظاہری میں بھی فرید روزگار تھا۔ چمکتا رہا چہرہ نرگسیں آنکھیں خمدار ابرو، خوبصورت ناک، کشادہ پیشانی، گلاب کی پتیوں کو شرما دینے والے پتلے پتلے ہونٹ اور اس پر جمال ربانی کا پرتو دل کو دیکھے بغیر قرار نہ تھا اور آنکھ کو یارائے دیدار نہ تھا۔ جب آپ کی عمر مبارک ساڑھے چار سال ہوئی تو تعلیم قرآن کریم کیلئے مکتب میں بٹھائے گئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد مزید علم حاصل کرنے کیلئے دور دراز کا سفر اختیار کیا۔ علاقہ پنڈی گھیب کے ایک گاؤں میکی ڈھوک میں ایک مدرسہ تھا۔ اپنے ماموں میاں احمد دین صاحب کی معیت میں پہلے وہاں گئے۔ فارسی کی ابتدائی کتب وہاں پڑھیں۔ لیکن استاد صاحب کی زندگی نے وفا نہ کی ان کے انتقال کے بعد مکھڈ شریف پہنچے۔ اس وقت وہاں حضرت مولانا محمد علی صاحب علیہ الرحمۃ نے علم کی شمع روشن کر رکھی تھی اور طالبان علم جوق در جوق اس چشمہ فیض سے سیراب ہو رہے تھے۔ آپ نے تیرہ سال تک اپنے استاد گرامی کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کیا۔ اس عرصہ میں مکھڈ کے ایک تاجر میاں محمد امین جو مولانا موصوف کے بڑے عقیدت مند تھے۔ اُنہوں نے تجارتی مقاصد کیلئے کابل کے سفر کا قصد کیا۔ ان کی درخواست پر مولانا نے اپنے اس تلمیذ ارشد کو ان کی معیت میں کابل روانہ کیا۔ تاجر موصوف کو اپنے کاروباری مشاغل کی وجہ سے وہاں کافی عرصہ رکنا پڑا۔ حضرت نے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کابل کے مایہ ناز اور متجر عالم حضرت مولانا حافظ دراز صاحب کے درس سے استفادہ شروع کیا۔ ہدیہ شریف وہاں پڑھی اور حدیث شریف کی سند بھی آپ سے حاصل کی۔ کابل کے قیام کے دوران میں جو بروایت حضرت ثالث غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ فخر الدین سیالوی مدظلہٗ نے یوں بیان فرمائی۔

آپ حافظ دراز صاحب کے درس میں اکتساب علم فرما رہے تھے۔ طلبہ کیلئے رہائش کا خاطر خواہ بندوبست نہ تھا۔ ایک روز افغانستان کے حکمران امیر شیر علی کی سواری شاہی تزک و احتشام کے ساتھ گزر رہی تھی آپ نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور پر جلال لہجے میں فرمایا:

برائے اقامت ما جا دہی یا نہ دہی

یعنی ہمارے رہنے کیلئے کوئی جگہ دو گے یا نہیں۔ امیر ایک درویش کی جرأت اور بے ساختہ پن سے بڑا متاثر ہوا اور اپنے کابلی لہجے میں کہا:

چرا نہ دہم بہ سر و چشم مے دہم

کیوں نہیں دوں گا سر آنکھوں پر دوں گا۔ حضرت کے استاد صاحب کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی صرف ایک صاحبزادی تھی اس نوجوان شاگرد میں صورتی اور معنوی خوبیوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد دل میں طے کر لیا تھا کہ انہیں دامادی کا شرف بھی بخشیں گے۔ اور اپنی مسند ارشاد و تدریس کا وارث بھی بنائیں گے۔ اپنے اس عظم کا اظہار آپ سے بھی کر دیا۔ ہونہار شاگرد وہ ادب سے برملا انکار نہ کر سکا۔ لیکن آپ نے میاں محمد امین صاحب جن کے ہمراہ آپ کابل آئے ہوئے تھے یہ ماجرا بیان کر دیا اور اپنی پریشانی کا اظہار بھی کیا۔ میاں محمد امین نے تسلی دی۔ چنانچہ کابل سے روانہ ہونے سے پہلے میاں صاحب استاد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس مؤثر انداز میں حالات بیان کئے کہ انہوں نے بخوشی حضرت کو واپسی کی اجازت دے دی۔

جب میاں محمد امین اپنے مشاغل سے فارغ ہوئے تو حضرت ان کی معیت میں پھر اپنے مشفق استاد کی خدمت میں پہنچ کر تحصیل علم میں مصروف ہو گئے۔

حضرت مولانا محمد علی اگرچہ علم و فضل میں بے نظیر اور زہد و ورع میں منفرد اور مرجع خلائق تھے لیکن دل ابھی کسی ایسے صاحب کمال کیلئے تڑپ رہا تھا جو ایک نگاہ میں گھائل کر دے اور اپنی توجہ باطنی سے حریم ذات کے دروازے کھول دے۔ کئی بزرگوں کی شہرت سنی، گئے، دیکھا و رلوٹ آئے۔ دل کی تسکین کا سامان کہیں نظر نہ آیا ایک روز کسی راہ نورد نے حضرت پیر پٹھان قبلہ عالمیان شاہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہٗ کا تذکرہ اس انداز سے کیا کہ سنتے ہی دل بے چین ہو گیا اور تونسہ مقدسہ کا سفر اختیار کیا۔

اس سفر ہمایوں اثر میں اپنے اسی تلمیذ ارشد کو اپنے ہمراہ لیا۔ جب کشتی دائرہ دین پناہ کے مضافات میں پہنچی آپ اُترے اور ملاحوں کو رخصت عطا فرمائی۔ وہاں ایک گدھا کرایہ پر لیا اور قبلہ عالمیان شہنشاہ اقلیم ولایت حضرت شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے در اقدس پر پہنچے۔ حضور نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ عرض کی مکھڈ سے۔ مزید استفسار فرمایا۔ مولوی صاحب بخیریت تھے۔ عرض کی وہ خاکسار میں ہی ہوں۔ حضور نے اُٹھ کر گلے سے لگا لیا۔ اور بڑی عزت و تکریم کی رہائش کیلئے انہیں ایک الگ حجرہ مرحمت فرمایا۔ مولانا تو اپنی اقامت گاہ پر فروکش ہو گئے لیکن شمس معرفت حضرت پیر پٹھان کو دیکھتے ہی ہزار جان اور ہزار دل سے فریفتہ ہو گئے اور اتنا یارائے صبر بھی نہ رہا کہ اپنے استاد محترم کا انتظار کریں۔ موقع ملتے ہی بارگاہ ناز میں حاضر ہوئے اور بیعت کیلئے گذارش کی۔ مرشد کامل نے از راہ غایت بندہ نوازی شرف بیعت سے سرفراز فرمایا اور نماز مغرب کے بعد نفل اوابین اور حفظ الایمان اور ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ درود پاک پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا سر دست تمہارے لئے اتنا وظیفہ کافی ہے۔ جب تحصیل علم سے فراغت پا کر آؤ گے۔ اس وقت مزید کرم فرمایا جائے گا۔ اس سعادت ازلی سے بہرہ مندوز ہو کر اپنے استاد محترم کے پاس حاضر ہوئے اور آرام فرمایا۔

مولانا نے چند روز توقف کے بعد بیعت کیلئے عرض کی۔ حضور نے فرمایا! آپ بہر بیجہ افضل و اکمل ہیں۔ آپ کا علم و فضل مشہور عالم ہے۔ آپ کو اس فقیر سے بیعت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت مولانا نے بصد ادب و نیاز عرض کی۔ قبلہ میں نے علم اس لئے تو نہیں پڑھا تھا کہ یہ میری محرومی کا باعث ہو اور میں اس نعمت سرمدی سے بے بہرہ رہوں۔ میں نے تو علم ہدایت پذیری کیلئے پڑھا ہے اس لئے حضور اس خاکسار پر نظر کرم فرمائیں اور مجھے اپنی غلامی کی عزت سے محروم نہ رکھیں۔ علم و فضل کے باوجود مولانا کی اس ادائے نیاز مندی کو حضور نے بہت پسند فرمایا اور کچھ اوراد پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ ان وظائف کے پڑھنے سے مولانا کے دل کی پہلی صفائی بھی جاتی رہی۔ ذوق و شوق کی جو چنگاری سلگ رہی تھی وہ پھر سرد ہو گئی۔ آپ اس صورت حال سے بڑے غمزدہ ہوئے اور اپنی کیفیت عرض کی۔ حضرت پیر پٹھان نے اپنی زبان میں فرمایا کہ دبابا ایک لڈے تے بیا آوے، یعنی ایک رخصت ہو تو دوسرا آدے۔ آپ کے پہلے واردات رخصت ہوں گے تب نئی کیفیات کا ورود ہوگا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد مولانا کے دل میں درد و سوز و ذوق و شوق کی وہ کیفیت پیدا ہو گئی جس کا بیان زبان قلم سے ممکن نہیں۔

مولانا نے چھ ماہ تک شہباز لامکانی کے آستانہ عالیہ پر قیام کیا۔ نعمت دیدار توجہ باطنی اور کرم ہائے بے پایاں سے محظوظ ہوتے رہے۔ چھ

ماہ بعد حضور نے آپ کو طلب فرمایا۔ بیعت بھی کیا اور نعمت باطنی سے مالا مال کر کے خرقہ خلافت بھی مرحمت فرمایا اور واپس مکھڈ جانے کی اجازت دی۔ مولانا جراغ ہی سر وکین وحدت مراجعت فرمائے مکھڈ شریف ہوئے۔

حضرت شمس العارفین کو طالب علمی کے زمانہ میں بھی جس صاحب کمال نے دیکھا۔ حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ کبھی کبھی آپ مکھڈ سے اپنے والدین کی ملاقات کیلئے تشریف لایا کرتے تو دین پور کے قصبہ سے گزر ہوتا۔ وہاں ایک باکمال بزرگ میاں محمد اکرم صاحب رہا کرتے تھے۔ جب اس خجستہ خصال نوجوان کو دیکھتے تو تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔ اور رخصت کرنے کیلئے کافی دور تک دین پور سے باہر آتے آپ کے کسی خادم نے اس کرم پر حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ شاید آپ اس نوجوان طالب علم کی اس لئے عزت کرتے ہیں کہ یہ میاں شیر کرم علی صاحب کی والاد میں سے ہے۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ تم درج ولایت کے اس گوہر تاباں کی قدر نہیں پہنچانتے۔ ایک دن آئے گا جب یہ نوجوان اقلیم فقر کا فرمانروا ہوگا۔ اس کی عظمت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجے گا۔ بڑے بڑے ارباب کمال یہاں حاضر ہو کر اپنی منزل مراد کو پائیں گے۔ میاں کرم علی صاحب جیسے بزرگ اور میرے جیسے لقمہ خوار ہزاروں ہزار اس کے آستان پر دربان ہوں گے۔

اُستاد محترم نے نجابت و شرافت اور سعادت ازلی کے آثار اپنے اس فرشتہ سیرت شاگرد میں ملاحظہ فرمائے۔ ان کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی انہوں نے خیال فرمایا کہ اپنے شاگرد رشید کو اپنا جانشین بنائیں گے۔ تاکہ ان کی وفات کے بعد اس کے دم قدم کی برکت سے یہ سلسلہ فیض جاری و ساری رہے۔ اس چیز کا علم جب آپ کے والدین کو ہوا تو وہ ہجر و فراق کا تصور کر کے تڑپ اُٹھے۔ تونسہ شریف حاضر ہو کر حضرت سلیمان قدس سرہٗ کی خدمت میں اپنا ماجرا عرض کیا۔ ملجائے بیکساں نے مولانا کو تحریر فرمایا کہ آپ نے اس فقیر کو اسیر کر رکھا ہے۔ اس کو اپنے باپ کے ساتھ روانہ کرو۔ لوگوں کے فرزندوں کو قید نہیں کر لیا کرتے نیز شمس العارفین کو حکم نامہ تحریر فرمایا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ جائیں اور سنت نکاح ادا کریں۔

حسب فرمان مرشد اپنے گھر واپس تشریف لائے اور جب ہدایت اور اوراد و اذکار پوری پابندی سے انجام دیتے رہے۔ فرصت کے وقت تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ سال میں کئی کئی بار پاپیادہ منزل جاناں کی زیارت کرنے کیلئے آتے اور کم سے کم چالیس روز قیام فرماتے۔ جب بتقاضائے عمر ظاہری قوتوں میں اضمحلال آشکارا ہوا تو پھر بامر مجبوری سوار ہو کر تونسہ شریف حاضر ہوتے۔

اپنے مرشد کی خدمت اور غلامی کو سرچشمہ سعادات و برکات یقین کرتے۔ چودہ مرتبہ حضرت پیر پٹھان کی معیت میں تونسہ مقدسہ سے مہار سدا بہار کا سفر کیا اس شان سے کہ حضور ایک تیز گھوڑی پر سوار ہوئے یہ پیکر صدق و وفا اپنے مرشد کا قرآن کریم مع رحل اور دیگر وظائف سر پر رکھے۔ پانی کا بھرا ہوا کوزہ دائیں ہاتھ میں حضور کا عصا اور مصلیٰ بغل میں لئے بادۂ محبت سے سرشار ہو کر حضرت کی گھوڑی کے آگے آگے دوڑتے۔ لوگ اس حسین و رعنا جوان کے جسم نازک اور اس پر یہ مشقت، جفاکشی، پھر شوق و مستی کا عالم اور ہمت کی بلندی کا مشاہدہ کر کے دنگ رہ جاتے۔ دیکھنے والے ایک نظر سے پہچان جاتا کہ کس منزل کا مسافر ہے اور اس کی کنور آنکھیں کس کے درد محبت کی غمازی کرتی ہیں۔

تونسہ شریف سے مہار شریف ایک سو کوس یعنی ایک سو پچاس میل کی مسافت ہے اس زمانہ میں تقریباً سارا علاقہ جنگل بیابان یا چٹیل ریگستان تھا۔ پانی، نایاب، آبادیاں خال خال، سڑکیں اور شاہراہیں مفقود ایک دفعہ حضرت پیر پٹھان قدس سرہٗ دیار محبوب کی طرف روانہ ہوئے گرمی کا موسم تھا۔ نوجوان سیال بڑے ذوق و شوق سے وجد کناں اپنے مرشد کی گھوڑی کے آگے آگے دوڑتے جا رہے تھے۔ آپ برہنہ پا تھے۔ ریشم سے نرم و نازک پاؤں کے تلووں میں کانٹے چبھتے، آبلے بنتے رہے اور دھوپ قیامت ڈھا رہی تھی کہ زمین تپ رہی تھی۔ اس کے باوجود اس بلند اقبال اور اولوالعزم نوجوان کے ذوق و شوق میں ذرا فرق نہیں آ رہا تھا۔ اچانک مرشد کامل نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ اپنی پاپوش مبارک اُتار کر آپ کو دی کہ اسے پہن لو تاکہ گرم ریت راہ میں بکھرے ہوئے کانٹے اور سنگریزے نہ چبھیں۔ آپ نے اس تحفہ کو بصد شکریہ قبول کیا اور چوم لیا لیکن پاؤں میں پہننے کی بجائے اپنے سر کا تاج بنا لیا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد پھر حضرت پیر پٹھان نے آپ کو حسب سابق ننگے پاؤں دیکھا اور پوچھا جوتے کہاں ہیں۔ عرض کیا جوان کا صحیح مقام تھا میں نے انہیں وہاں سجا لیا ہے۔ حضرت اس جذبۂ نیاز مندی پر از حد مسرور ہوئے۔ اپنی گھوڑی سے نیچے اُترے اور اپنے جواں بخت مرید کو اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسرار معارف کے کتنے خزینے بخش دیئے۔

حضرت پیر سیال فرمایا کرتے کہ میں نے اپنے مرشد کی خدمت میں چودہ سال کا طویل عرصہ اس انتظار میں گزارا کہ کوئی رحمت کی گھڑی آئے اور لطف خسروانہ ابر کرم بن کر برسے۔ اتنے عرصہ میں مجھے دربار پہ خصوصی مجے نصیب ہوئے اس وقت آپ ایک اسی واقعہ کا ذکر کرتا اور دوسرا زیارت خضرت کا واقعہ جس کا بیان ابھی آ رہا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جب تک اپنے مرشد کے ساتھ اتنی والہانہ عقیدت نہ ہو۔ افادہ اور استفادہ کا دروازہ نہیں کھلتا۔ طالب کو گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ اپنے شیخ سے کامل درجہ کی محبت نے باطن کو تو ہم رنگ کر ہی دیا تھا۔ ظاہری شکل وصورت میں بھی ایسی مماثلت پیدا ہوگئی تھی کہ حضرت کو دیکھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ اس نے حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کی زیارت کی ہے۔ آپ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں جب تونسہ شریف حاضر ہوئے تو آستانہ عالیہ کے تالاب پر تشریف فرما تھے۔ جس نے دیکھا یہی سمجھا کہ خود حضرت پیر پٹھان تشریف فرما ہیں۔ کسی خادم نے دوڑ کر حضرت خواجہ کریم تونسوی کی خدمت میں گزارش کی کہ قبلہ! میں اپنی آنکھوں سے حضرت پیر پٹھان کو تالاب پر بیٹھے دیکھ کر آیا ہوں۔ حضرت خواجہ کریم نے سن کر فرمایا۔ پتہ چلتا ہے کہ مولوی صاحب سیالاں والے آگئے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت پیر پٹھان کے پوتے حضرت خواجہ خیر محمد صاحب سیال شریف تشریف لائے اور حضرت باوجود ضعف پیری اور نقاہت کے اپنے شیخ کے پوتے کی خدمت میں دن میں کئی بار حاضر ہوتے اور کافی دیر زانوں شکستہ دست بستہ بیٹھے رہتے۔ اس اثناء میں حضرت صاحبزادہ خیر محمد صاحب آپ کے چہرہ انور کو بڑے غور سے دیکھتے رہتے۔ ایک دن صاحبزادہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جب سے ہمارے جد امجد خواجہ محمد سلیمان صاحب کا انتقال ہوا ہے تب سے حضرت خواجہ سیالوی کی زیارت سے ہمارے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے بعد امجد اور خواجہ سیالوی کی صورت اور سیرت میں ایک بال کا فرق نہیں۔

بعض حضار مجلس نے یہ کلمات طیبات اعلیٰ حضرت سیالوی کی خدمت میں عرض کئے لیکن حضرت نے از راہ کسر نفسی فرمایا مور چہ (چیونٹی) کو سلیمان کے ساتھ کیا نسبت ہے۔

خاک دہلیز سلیماں پہ یہ پیشانی ہے
چشم اس مور کی برلطف سلیمانی ہے

میاں حفیظ ماہی صاحب ساکن سور کی شریف، حضرت مولانا سلطان محمود صاحب ساکن تاڑہ، دونوں حضرت پیر پٹھان کے جانثار مرید تھے۔ حضرت پیر پٹھان کے انتقال کے بعد ان کی دُنیا تاریک ہوگئی۔ نہ دات کو آرام، نہ دن کو قرار، ہجر محبوب میں ہمہ وقت رویا کرتے۔ ایک رات حضرت پیر پٹھان نے میاں حفیظ ماہی صاحب کو خواب میں ارشاد فرمایا کہ تم روتے کیوں ہو۔ میں تو اب تمہارے نزدیک سیالاں میں رہتا ہوں۔ آپ بیدار ہوئے، اسی وقت بستر باندھا سر پر رکھا اور سیال شریف کی طرف چل پڑے۔ راستہ میں ہی اپنے پیر بھائی مولانا سلطان محمود صاحب کے پاس سے گزرے دیکھا وہ بھی بستر باندھے بیٹھے ہیں اور آمادہ سفر ہیں آپ نے پوچھا حضرت کہاں کی تیاری ہے۔ فرمایا رات کو میرا دل از حد سوگوار تھا۔ روتے روتے آنکھ لگ گئی۔ حضرت پیر پٹھان نے شرف زیارت بخشا اور فرمایا مولوی صاحب آپ اتنا کیوں روتے ہیں۔ میں تو اب تمہارے بالکل قریب سیالاں میں آگیا ہوں۔ بعینہ یہی خواب حفیظ ماہی صاحب دیکھ کر روانہ ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ بخدا مجھے بھی آج رات یہی حکم ملا ہے۔ چنانچہ دونوں حضرت پیر سیال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے روئے تاباں کی زیارت سے ان کے غمزدہ دلوں کو قرار آگیا اور پھر ساری عمر حضرت پیر سیال کی محبت کا دم بھرتے رہے۔ حضرت نے ان کو خلافت عطا فرمائی۔

جب حضرت پیر سیال کی عمر مبارک چھتیس (۳۶) برس ہوگئی زہد و ریاضت سے سینہ گنجینہ نور بن گیا تو شاہ شاہان خواجہ محمد سلیمان قدس سرہٗ نے خرقہ خلافت ارزانی فرمایا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ میں تجھے گم کردہ راہوں کو راہ ہدایت پر لانے کیلئے آوارگان دشت محبت کو منزل محبوب تک پہنچانے کیلئے بعیت اور خلافت کی اجازت دیتا ہوں۔ آپ نے بصد نیاز عرض کی کہ مخدوما میں اس بار گراں کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ مجھے اس سے معذور سمجھا جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ "تو کہاں ہے جب تو میں ہوگیا تو پھر تو کہاں رہا تیرے ہر کام کا میں ذمہ دار ہوں۔ اپنے آپ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجھے اس کا مجاز کرتا ہوں۔ چنانچہ ظاہری و باطنی انعامات سے سرفراز فرما کر گھر رخصت کیا اور روانگی کے وقت سخت تاکید کی کہ جس فیض کا تمہیں امین اور جس خزینہ سعادت کا تجھے قاسم مقرر کیا گیا ہے اس سے کوئی محروم واپس نہ جائے۔ جو بیعت کا خواہش مند ہو کر آئے اس کی دستگیری ضرور کی جائے۔

جب دوبارہ اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا کہ کیا کسی کو بیعت کیا ہے۔ عرض کی صرف میرے والدین نے میری بیعت کی ہے اس کے علاوہ اور کوئی بیعت نہیں ہوا۔ حضرت پیر پٹھان نے جلال میں آکر فرمایا کہ میں نے تو تجھے شاہباز بنایا ہے۔ سارا عالم تیرا صید زبوں ہے۔ اپنی ہمت خداداد کو مخلوق خدا کی رشد و ہدایت میں صرف کر۔ ایک دفعہ حضرت پیر پٹھان تشریف فرما تھے۔ مشتاقان دید کا ہجوم تھا۔ اس اثناء میں ایک نورانی پیکر بزرگ حاضر ہوئے اور کچھ دیر محو گفتگو ہو کر رخصت ہوگئے۔ جب وہ تھوڑا سا دور گئے تو حضرت نے حاضرین مجلس کو کہا کہ جس شخص کے دل میں خضر کی زیارت کا شوق ہو وہ جائے اور زیارت کرے یہی خضر تھے جو یہاں سے ابھی اُٹھ کر گئے

ہیں۔لوگ دیوانہ وار خضر کی زیارت کرنے کیلئے دوڑ پڑے لیکن حضرت پیر سیال وہیں بیٹھے رہے۔حضور نے فرمایا مولوی صاحب کیا تمہیں خضر کی زیارت کرنے کا اشتیاق نہیں عرض کی میں تو اس کی زیارت کروں گا جس کی زیارت کیلئے خضر آتا ہے۔حضرت پیر پٹھان حضور کی اس سعادت مندی اور خلوص پر بڑے خوش ہوئے اور دُعا فرمائی۔''اللہ سائیں میرے سیال نوں رنگ لائیں''۔اے اللہ تعالیٰ! میرے اس مرید باصفا کو ابدی عزت وسعادت سے سرفراز فرمایا۔اس دُعا کا یہ اثر ہوا کہ شرق وغرب سے لوگ کسب فیض کیلئے پروانہ وار سیال شریف آنے لگے۔ آپ کو اپنے شیخ کا اتنا احترام ملحوظ تھا کہ تونسہ شریف کی حدود میں قضاء حاجت نہیں کی تین میل دور تشریف لے جاتے۔

ایک دفعہ آپ سیال شریف سے تونسہ مقدسہ زیارت شیخ کیلئے جارہے تھے۔راستہ میں ایک جنگل سے گزر ہوا وہاں ایک نورانی شکل بزرگ سے ملاقات ہوئی۔اُنہوں نے فرمایا کہ درود کبریت احمر پڑھا کرو۔آپ نے جواب دیا کہ میرے لئے میرے پیر کا فرمان کافی ہے۔ تونسہ شریف حاضر ہوئے تو مرشد کریم نے فرمایا کہ راستہ میں تمہیں ایک آدمی ملا تھا اس نے جو وظیفہ بتایا ہے وہ پڑھا کرو وہ حضرت پیران پیر غوث الاعظم تھے۔یہ درود پاک (کبریت احمر) اس سے پہلے طریقہ چشتیہ کے اوراد میں شامل نہ تھا۔حضرت پیر سیال کے ذریعہ یہ نعمت عظمیٰ چشتیہ سلسلہ کو نصیب ہوئی۔

اعلیٰ حضرت سیالوی پھر اس کی تلاوت پر مداومت فرمایا کرتے آں والا مرتبت نے معہود طریقہ کے مطابق اس کی زکوٰۃ بھی دی اس کے اختتام پر بارگاہ رسالت سے آپ پر جو خصوصی کرم ہوا اس کے ذکر سے قارئین ضیائے حرم کو محروم رکھنا بہت بڑی زیادتی ہے۔

میری خصوصی درخواست پر شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمرالدین سجادہ نشین سیال شریف نے یہ واقعہ اپنی زبان مبارک سے یوں بیان کیا! مجھے مولانا محمد امین صاحب نکوچی نے بتایا کہ حضرت مولانا معظم الدین صاحب مرحوم کبریت احمر کی زکوٰۃ کے ایام میں خدمت عالی میں حاضر رہا کرتے اور ہر طرح کی خدمات بجالاتے۔اُنہوں نے اپنا چشم دید واقعہ یوں بیان کیا کہ اعلیٰ حضرت نے سیال شریف سے باہر مغرب کی طرف ایک جگہ کو کبریت احمر شریف کی زکوٰۃ کیلئے مقرر فرمایا۔میری ڈیوٹی یہ تھی کہ میں کسی کو اس خلوت میں مخل نہ ہونے دوں۔ چنانچہ جس روز زکوٰۃ کا اختتام تھا چاشت کا وقت تھا۔آپ تلاوت میں مصروف تھے۔میں کافی پیچھے ہٹ کر بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک اندھیرا سا ہوا جیسے صبح صادق کا وقت ہو اسی اثناء میں چند گھوڑ سوار آسماں کی طرف سے اُترے حضرت نے آگے بڑھ کر ایک شاہسوار کی قدمبوسی کی یہ حضور نور مجسم سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تھی۔حضور کے دست مبارک میں ایک دستار تھی جو آپ کے سر پر باندھی گئی۔اس عزت سے مشرف کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روپوش ہوگئے۔میں نے حاضر خدمت ہو کر اس عزت افزائی پر مبارک باد عرض کی۔اعلیٰ حضرت نے دریافت فرمایا کہ آپ نے بھی زیارت کی ہے۔میں نے عرض کیا آپ کے صدقے مجھے بھی یہ عزت نصیب ہوئی ہے۔حضرت نے مجھے تاکید کر کہ میں اس واقعہ کا کسی کے سامنے ذکر نہ کروں۔

جب تک حضرت پیر سیال اس جہان فانی میں جلوہ افروز رہے مرید صادق نے اس راز کو افشا نہیں کیا۔لیکن آنجناب کے وصال کے بعد آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ اپنے مرشد کے اس کمال کو مخفی رکھیں اس لئے آپ نے احباب سے اس کا تذکرہ فرمایا۔

حضرت کا انداز تبلیغ وارشاد بالکل نرالا تھا۔اسوۂ نبوت کا کامل نمونہ مناظرہ مجادلہ بحث وتکرار کا تو وہاں گزر ہی نہ تھا۔جو بات فرماتے محبت و پیار کے رنگ میں رنگی ہوتی اور بڑے سے بڑا جھگڑالو مدمقابل بھی خلوص کی مہک سے ازخود رفتہ ہو کر سرنیاز قدموں میں رکھ دیتا۔بڑے بڑے علماء وفضلا مناظرہ کرنے کیلئے حاضر ہوئے لیکن ناوک نگاہ کی تاب نہ لاکر ہمیشہ کیلئے غلام بے دام بن کر رہ گئے۔بے شمار ایمان افروز واقعات سے ایک دو روح پرور باتیں آپ بھی سن لیجئے۔تحصیل خوشاب میں انگ ایک مشہور قصبہ ہے۔قاضی سلطان محمود صاحب کا زمانہ تھا آپ کے علم وفضل کی شہرت دور دراز علاقوں میں پہنچ چکی تھی۔آپ کے متبحر علمی کے باعث علماء عصر آپ کو استاذ کل کہا کرتے ان کے فضل و کمال کی بلندی کا اندازہ لگانے کیلئے صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ حضرت قبلہ سید پیر مہر علی شاہ صاحب آپ کے شاگرد تھے۔حضرت کئی سال تک انگہ میں قیام پذیر رہے اور آپ کے چشمہ علوم ومعارف سے سیراب ہوتے رہے۔

قاضی صاحب مذکور کو پتہ چلا کہ ان ہی کے ضلع شاہ پور میں سیال کے مقام پر ایک فقیر ظاہر ہوا ہے۔جو سماع سنتا ہے اور لوگ جوق در جوق اس کے مرید بنتے جارہے ہیں۔قاضی صاحب کی تحقیق کے مطابق سماع شریعت میں ناجائز تھا۔ان کی ایمانی غیرت یہ گوارہ نہ کرسکی کہ ان کے علاقہ میں خلاف شریعت فعل کو اتنا فروغ نصیب ہو، چنانچہ ایک گدھے پر اپنی کتابوں کے انبار لادے اور مناظرہ کرنے کے ارادہ سے سیال شریف روانہ ہوئے۔وہاں اپنے معتقدین اور ساز وسامان کے ساتھ ایسے وقت پہنچے جب حضرت شمس العارفین اپنی مجلس آراستہ کئے ہوئے معرفت کے موتی لٹا رہے تھے۔قاضی صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ آداب مجلس کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے

کہ آپ شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور ایسے کام کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہیں۔ حضرت نے قاضی صاحب کی بات سن کر بڑے تحمل سے فرمایا قاضی صاحب میری گردن بلکہ میری سات پشتوں کی گردن شریعت کے سامنے جھکی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے خلاف شریعت کام کرنے سے بچائے یہ جواب سننے کے بعد قاضی صاحب تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے۔ پھر وضو کرنے کیلئے شرقی کنواں پر تشریف لے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت نے قوالوں کو اشارہ کیا تو انہوں نے پنجابی کے ان بولوں سے محفل سماع کا آغاز کیا۔

بھنگ کنوں دل دل تنگ پیو سے
پچھاں ہزاردے دیاں واٹاں
میرے ماہی دیاں مٹھیاں باتاں
جیوں کھنڈ شکر نباتاں

قاضی صاحب سماع کی آواز سن کر غصے سے دوڑتے ہوئے آئے۔ بار بار کہہ رہے تھے۔ پھر بھی آپ باز نہ آئے۔ پھر بھی آپ باز نہ آئے۔

جب قاضی صاحب قریب پہنچے تو حضرت نے ایک بار نگاہ بھر کر دیکھا ان پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور غش کھا کر گرے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور قوال بار بار ان بولوں کو دہرا دہرا کر قاضی صاحب کی آتش شوق کو بھڑکا رہے تھے۔ قاضی صاحب بہت بڑی دستار باندھا کرتے تھے جو ان کے علم وفضل کی گواہی دیتی تھی۔ اس مستی وشوق میں اپنی دستار سر سے اُتاری اور قوالوں کو جا کر نذر کر دی اس محفل پر کیف ومستی کا جو رنگ چڑھا ہو گا اس کی ماہیت کیونکر بیان کی جاسکتی ہے۔ قوال جب اس بولی کا تکرار کرتے تو آپ تڑپتے اور یہ نعرہ لگاتے

حق او یار حق! حق او یار حق

حضرت ثانی غریب نواز اس محفل پاک میں حاضر تھے جب قاضی صاحب نے اپنی دستار قوالوں کی نذر کی تو آپ چپکے سے اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ گھر میں سونے چاندی کے جتنے زیوارات تھے سب اُٹھا کر لائے اور قوالوں کو پیش کر کے ان کے عوض قاضی صاحب کی دستار ان سے لے لی اور فرمایا۔ یہ عالم کی دستار ہے اور سی کے سر پر زیب دیتی ہے۔ پھر قاضی صاحب کے سر پر وہ دستار باندھ دی۔ اعلیٰ حضرت غریب نواز اپنے فرزند دلبند کی اس ادا شناسی پر بڑے مسرور ہوئے اور آپ کو دعاؤں سے نوازا۔

مردان خدا مناظرہ کے اکھاڑوں کو یوں اپنی چشم کرم سے عشق ومحبت کے خیاباں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات شاذ ونادر ہی نہیں بلکہ ہر روز کا معمول تھا۔ خدنگ ناز کی زد میں جو آیا جانے نہیں پایا۔

حضرت کی خدمت اقدس میں ہر قسم کے لوگ آیا کرتے تھے۔ فقیر بھی امیر بھی گدا بھی، نواب بھی، سالک بھی قلندر بھی، عالم بھی اوان پڑھ بھی اور اس کریم کے دروازے سے ہر شخص اپنی استعداد اور اپنے ظرف کے مطابق بہرہ ور ہوا کرتا ہر شخص کی اصلاح اور تربیت کیلئے ایسا انداز ختیار فرماتے جو اس کی نفسیات کے عین مطابق ہوتا۔

ضلع جھنگ میں شاہ جیونہ ایک مشہور قصبہ ہے جہاں حضرت محبوب عالم جو شاہ جیونہ کے نام سے مشہور ہیں کا مزار شریف ہے۔ آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بزرگ تھے۔ آپ کی اولاد میں سے ایک مشہور ہستی سید محمد غوث شاہ صاحب گزرے ہیں۔ آپ کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ آپ علاقہ کے رئیس اعظم تھے۔ سات سو مربع زمین کے مالک تھے۔ پیرانہ سالی کا آغاز ہو چکا تھا۔ حضرت پیر سیال غریب نواز کی شہرت سن کر آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے اور اپنی داستان غم مرد خدا کی خدمت میں بصد ادب ونیاز پیش کی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا شاہ جی غم نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دو بچے دے گا۔ ایک کا نام صالح شاہ اور دوسرے کا نام راجہ شاہ رکھنا۔ اس مژدہ جانفزا کو سن کر شاہ صاحب نے حضرت کے دست اقدس پر بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کامل کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو پورا فرمایا اور پیرانہ سالی میں دو لڑکے عطا فرمائے۔ جن کو صالح شاہ اور راجہ شاہ کے ناموں سے موسوم کیا گیا۔ دوسرے سادات کو جب پتہ چلا کہ سید محمد غوث شاہ صاحب نے ایک جٹ کی بیعت کی ہے تو ملامت کرنے لگے کہ تم اتنے رئیس اعظم اور ایک ولی کی اولاد اور پھر سید تمہیں اگر کسی کو مرشد بنانا تھا تو کسی سید کو بنایا ہوتا۔ ایک جٹ کا مرید بننا قطعاً آپ کے شایان شان نہیں۔ سید محمد غوث شاہ صاحب نے ان ملامت کرنے والوں کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ میں نے جٹ کے کھیت کو سرسبز دیکھا ہے تب ہی اس کا فیصلہ کیا ہے۔

ضلع جھنگ کے ایک دوسرے سید صاحب جو ٹھٹہ محمد شاہ کے واحد مالک تھے انہوں نے جب سنا کہ شاہ جیونہ صاحب کے سجادہ نشین نے سیال شریف بیعت کی ہے تو ان کے دل میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق پیدا ہوا اور دل میں یہ طے کیا کہ اگر میری یہ تین شرطیں پوری ہوگئیں تو بیعت کروں گا ورنہ واپس چلا آؤں گا۔ ایک شرط یہ تھی کہ میری جب آپ سے ملاقات ہو تو مغرب کی طرف سے آ رہے ہوں۔

دوسری شرط یہ تھی کہ بتائے بغیر آپ مجھے پہچان لیں اور تیسری شرط یہ تھی آپ مجھے گلاب کا پھول عطا کریں۔ دل میں یہ طے کرنے کے بعد سیال شریف پہنچے۔ حضرت کے بارے میں پوچھا تو بتایا کہ حضرت قبرستان تشریف لے گئے ہیں۔ یہ قبرستان سیال شریف سے مغرب کی سمت میں واقع ہے۔ میں ادھر ہی چل پڑا راستہ میں دیکھا کہ اعلیٰ حضرت قبرستان سے شہر کی طرف آرہے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ میری ایک شرط تو پوری ہوگئی لیکن دیکھتا ہوں کہ دوسری شرطیں کیسے پوری ہوتی ہیں۔ میں ادھر سے جارہا تھا۔ حضرت قبرستان کے مغربی سمت سے شہر کی طرف آرہے تھے۔ راستہ میں ساہیوال کا ایک خادم حاضر ہوا اور ایک پھولوں سے بھرا ہوا ٹوکرا حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ اتنے میں میں بھی قریب پہنچ گیا۔ حضرت نے پھولوں میں سے ایک پھول اُٹھایا اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا لو شاہ صاحب یہ پھول لے لو۔ میں اپنی تین شرطوں کو اس حیرت انگیز طریقہ پر پورا ہوتے دیکھ کر اس مردِ خدا کی عظمت کا قائل ہوگیا اور عرض کی کہ حضرت مجھے بھی بیعت فرمایئے۔ چنانچہ حضرت نے وہیں راستہ میں مجھے شرفِ بیعت سے سرفراز فرمایا۔

ملک شیر خان مرحوم بندیال کے رئیس اعظم تھے۔ اور حضرت کے نیاز مند بھی روساء کی طرح یہ بھی کتوں کے بہت شوقین تھے۔ اعلیٰ نسل کے کتے پال رکھے تھے اور سفر میں بھی انہیں اپنے ساتھ رکھا کرتے ایک دفعہ اپنے مرشد کی زیارت کرنے سیال شریف حاضر ہوئے۔ کتوں کو حویلی میں باندھ دیا۔ شام کی اذان ہوگئی تھی اس لئے نماز پڑھنے کیلئے مسجد میں چلے آئے۔ ایک پستہ کتا، چپکے چپکے پیچھے آگیا انہیں اس کی خبر نہ ہوئی۔ کتا جوتوں کی جگہ بیٹھ گیا۔ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرض باجماعت ادا کر کے مسجد سے اپنی عبادت گاہ کی طرف جانے لگے ایک خادم ہمراہ تھا جب باہر نکلے اور پستہ کتا بیٹھے ہوئے دیکھا۔ حضرت صاحب نے اپنے خادم کو حکم دیا۔ ملک شیر خاں آیا ہے یہ کتا اسی کا معلوم ہوتا ہے۔ تم یہاں ٹھہرو اس کی حفاظت کرو۔ بہادر عبداللہ سبز پوش اسے مارے ملک کو اپنے کتے بڑے پیارے ہیں (عبداللہ ایک درویش تھا جو آستانہ عالیہ پر کسی کتے کو آنے نہیں دیتا تھا۔ جو کتا اس کے ہتھے چڑھ جاتا تو اس کی خوب پٹائی کرتا)۔

ملک شیر خان کہتا ہے کہ میں نے حضرت کا یہ ارشاد سنا تو مارے شرم کے پانی پانی ہوگیا۔ دوڑ کر آیا اور اس درویش سے کہا کہ تم حضرت کے ساتھ جاؤ۔ میں اب اس کی رکھوالی کرلوں گا۔ ملک صاحب لوگوں کو اپنے مرشد کا یہ واقعہ سناتے اور آب دیدہ ہوجاتے۔ حضرت نے مجھے ڈانٹا نہیں ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ میرے پاس خاطر کیلئے اس کی حفاظت کا اہتمام فرمایا۔ وہ کہا کرتے اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو آپ کو ضرور ملتی۔ اس کے بعد انہیں کتوں سے اسقدر نفرت ہوگئی کہ انہیں رکھنا ہی چھوڑ دیا۔

آپ کا وجودِ مسعود سراپا کرامت تھا۔ آپ کی نشست و برخاست، گفتار و کردار میں دلوں کو لوٹ لینے والا بانکپن تھا۔ اس کے باوجود آپ انتہائی ضبط سے کام لیتے تھے اور کرامت کے اظہار کو پسند نہیں فرمایا کرتے اور اگر کسی درویش سے کرامات کا ظہور ہوتا تھا تو اسے سخت سرزنش فرماتے اس ضمن میں سید عباس علی شاہ کا واقعہ بڑا بصیرت افروز ہے۔ حضرت خواجہ غلام فخر الدین سیالوی مدظلہ کی روایت سے ہدیہ ناظرین ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ لاہور گیا مجھے کسی نے بتایا کہ بلال گنج میں ایک درویش حافظ شفیق احمد قادری رہتے ہیں۔ ان کی زیارت کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس ساتھی کو لے کر میں حافظ صاحب کے مکان پر گیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھلا۔ ایک درویش نے بڑے تپاک سے ہمیں خوش آمدید کہا اور پہلے سے ایک آراستہ مسند پر مجھے بٹھایا۔ یہی حافظ شفیق احمد قادری تھے۔ انہوں نے کہا کہ میرے مرشد نے مجھے بتایا کہ آج تیرے پاس ایک مہمان آنے والا ہے۔ میں صبح سے آپ کیلئے چشم براہ ہوں اور یہ مسند میں نے اسی ہدایت کے مطابق بچھا رکھی ہے۔ ابتدائی رسمی گفتگو کے بعد انہوں نے اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا۔ بتایا کہ میں موسیٰ زئی شریف میں بیعت تھا۔ میرے مرشد کا انتقال ہوگیا۔ میں ایک مراقبہ میں سرگرداں تھا وہ حل نہیں ہو رہا تھا۔ دن بدن میری پریشانی میں اضافہ ہونے لگا۔ میں روزانہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دیا کرتا۔ کافی عرصہ کے بعد مجھے حضرت داتا صاحب نے خواب میں فرمایا کہ جموں میں سید عباس علی شاہ کے پاس جاؤ وہ تمہاری یہ مشکل حل کرے گا۔ میں گوہرِ مراد کی تلاش میں جموں پہنچا۔ تلاش بسیار کے بعد میں نے سید عباس علی شاہ کو پالیا لیکن ان کی حصیت گدائی دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی کہ میں نے سوچا کہ جس کے لیل و نہار ایک برہمن کی نوکری میں گزرتے ہیں وہ میری مشکل کیا خاک حل کرے گا۔ چنانچہ اظہار کئے بغیر میں پاس آگیا ایک بار پھر داتا صاحب نے خواب میں شرف دیدار بخشا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اسی جموں والے درویش کے ہاتھ میں دے دیا اور ان کے پاس جانے کی تاکید فرمائی۔ میں پھر جموں پہنچا جب گاڑی پلیٹ فارم پر رکی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی درویش پلیٹ فارم پر ٹہل رہا ہے مجھے دیکھا اور جلدی سے آکر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجذوبانہ انداز میں کہا کہ اب داتا صاحب نے بھی لوگوں کی چغل کھانی شروع کردی ہے۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر اس برہمن کے مکان پر لے گئے جس کی گائیں چرایا کرتے۔ کافی دن انہوں نے مجھے اپنے پاس رکھا پھر ایک روز مجھے اپنے ساتھ جنگل میں لے گئے اور خلوت میں ایسی توجہ فرمائی کہ میرا عقدہ حل ہوگیا۔ چشم

زدن میں وہ مرحلہ طے ہو گیا جس میں میں عرصہ سے سرگردان تھا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے اپنے بارے میں بتایا کہ میں سید ہوں اور پنڈی گھیب کے ایک نواحی گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ حضرت خواجہ شمس العارفین کا مرید ہوں۔ آپ کی خدمت میں ہی رہا کرتا تھا مجھ سے کرامات کا بکثرت ظہور ہونے لگا۔ تو حضرت نے بطور سزا تیس (۳۰) سال کیلئے مجھے یہاں گائیں چرانے بھیج دیا۔ اب میری سزا ختم ہونے والی ہے میں عنقریب گھر چلا جاؤں گا۔ تم فلاں ماہ کی فلاں تاریخ میرے گاؤں میں آنا۔ جب تم وہاں پہنچو گے تو مسجد میں چند آدمی قل کیلئے بیٹھے ہوں گے وہ تمہیں بتائیں گے کہ ایک شاہ صاحب جن کا نام عباس علی شاہ تھا ساری عمر باہر رہے چند روز ہوئے واپس آئے وہ انتقال کر گئے ہیں۔ آج تیسرا دن ہے شاہ صاحب نے مجھے کچھ روپے دیئے اور وہاں جا کر کھانا پکا کر میری فاتحہ پڑھ کر تقسیم کر دینا۔

میں واپس آ گیا جب وہ مقررہ تاریخ آئی تو وصیت کے مطابق میں ان کے گاؤں پہنچا جس طرح انہوں نے بتایا تھا لوگ مسجد میں جمع تھے میرے دریافت کرنے پر انہوں نے بعینہ وہی بات بتائی جو شاہ صاحب نے بتائی تھی۔ میں نے ایصال ثواب کیلئے کھانا پکایا اور تقسیم کیا۔ ان کی قبر پر حاضری دی۔ سلام عرض کیا اور واپس چلا گیا۔

اعلیٰ حضرت کی کرامات جو سورج کی کرنوں کی طرح از خود صادر ہوا کرتی تھیں بے حد و بے حساب ان کے احاطہ کیلئے تو دفاتر بھی ناکافی ہیں۔ یہاں صرف دو واقعات عرض کرتا ہوں۔ جن میں اپنے مریدین کی جان و مال کی حفاظت کیلئے آپ کے روحانی تصرفات کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ یہ دو واقعات اتنے سچے اور متقی لوگوں سے مروی ہیں جن کے بارے میں غلط بیانی اور مبالغہ آرائی کا گمان تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

پہلے واقعہ کے راوی حضرت مولانا معظم الدین صاحب مرولوی قدس سرہ ہیں۔ جن کو بارگاہ عالی میں طویل حاضری کا امتیازی شرف حاصل ہے۔ یہاں یہ واقعہ حضرت شیخ الاسلام سجادہ نشین سیال شریف کی زبان مبارک سے سن کر لکھ رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک روز اعلیٰ حضرت سیالوی قدس سرہ ظہر کی نماز کیلئے وضو فرما رہے تھے اور خادم نیاز وضو کرا رہا تھا۔ اچانک حضرت نے اس کے ہاتھ سے کوزہ جھپٹ کر کسی غیر مرئی چیز پر دے مارا۔ خادم پریشان ہو گیا کہ مجھ سے کون سی غلطی سرزد ہو گئی ہے چنانچہ وہ افسردہ خاطر ہو کر مولانا مرولوی کی خدمت میں حاضر ہوا جو قریب ہی ایک حجرہ میں مقیم تھے اور یہ ماجرا بیان کیا۔ مولانا نے اسے تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں فقیر کا کوئی مقام حکمت کے بغیر نہیں ہوا کرتا۔ تم اس کوزہ کی ٹھیکریاں سنبھال کر رکھ لو واپس آیا تو ٹھیکریاں بھی موجود نہ تھیں۔ صرف چند ٹکڑے پڑے ہوئے ملے جو اس نے سنبھال کر رکھ لئے چند ماہ بعد ایک بخارا کے علاقہ کا آدمی وہاں پہنچا جو فارسی زبان بولتا تھا۔ جب سیال شریف پہنچا اور حضرت کی زیارت کی تو زور سے کہنے لگا "ہمیں بود ہمیں بود" یعنی یہی وہ شخص ہے، یہی وہ شخص ہے ہم نے اس سے ماجرا پوچھا تو اس نے بتایا کہ بارگاہ الٰہی میں دعا مانگا کرتا تھا کہ الٰہ العالمین مجھے غوث زماں کی زیارت کی سعادت نصیب فرما۔ مجھے حضرت کی زیارت کرائی گئی اور سیالاں کا نام بھی بتایا گیا۔ میں اپنے علاقہ سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک جنگل سے گزر رہا تھا کہ ایک شیر گرجتا ہوا مجھ پر حملہ آور ہوا میں نے پکارا "اے سیالاں کے غوث میری مدد کر" کیا دیکھتا ہوں کہ شیر کے ماتھے پر ایک کوزہ آ کر لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اس کوزے کی ٹھیکریاں اپنے پاس حفاظت سے رکھ لیں جب پشاور سے آگے آیا تو سیالاں کے بارے میں دریافت کیا۔ کسی نے مجھے سیالکوٹ کا پتہ دیا۔ میں وہاں پہنچا آپ کی گلی گلی کوچے کوچے تلاش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وہاں سے مجھے کسی نے جھنگ سیال کا پتہ بتایا وہاں پہنچا لیکن جس کی تلاش تھی وہ نہ ملا میں حیران و پریشان تھا کہ اس شہر کا سراغ کیسے لگے۔ کسی نے مجھے ساہیوال جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اس طرح پوچھتا پوچھتا سیال حاضر ہوا۔ جب اس نے وہ ٹھیکریاں پیش کیں اور ہم نے ان کو جوڑا وہ ہو بہو حضرت کا کوزہ تھا۔ صرف چند جگہ سے کچھ ٹھیکریاں غائب تھیں ہمارے پاس جو تھیں وہ ہم نے وہاں جوڑیں مکمل کوزہ بن گیا۔

یہ واقعہ حضرت کی ظاہری زندگی کا ہے۔

دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے اور حضرت اولیاء کرام کے تصرفات پر برہان قاطع ہے۔ اس کی تفصیل تو آپ اس شمارہ کے کسی دوسرے مقام پر حضرت صاحبزادہ حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قلم معجز رقم سے مطالعہ کریں گے۔ یہاں اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

ضلع ظفر گڑھ کے ایک گاؤں کھیرے میں ایک سادات کا خاندان ہے اس کے ایک بزرگ حضرت سید اللہ بخش صاحب بڑے عالم و فاضل تھے اور اعلیٰ حضرت سیالوی کے نیاز مند تھے۔ حضرت بھی ان پر خصوصی لطف و کرم فرمایا کرتے تھے۔ حضرت کے وصال کے بعد سیال شریف میں ان کی حاضری پہلے کم ہوئی بعد ازاں آمد و رفت کا سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا۔ حضرت قبلہ ثانی صاحب کے عہد میں یہ اطلاعیں آنے لگیں کہ شاہ صاحب نے اپنے گاؤں میں الگ کعبہ بنا لیا ہے۔ اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور اسی کے گرد طواف کرتے ہیں۔ حضرت ثانی صاحب سنتے تو بصد افسوس فرماتے بیچارے شاہ کو کوئی مغالطہ لگ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے ان کی یہی حالت رہی۔ حتیٰ کہ

حضرت ثانی صاحب نے رحلت فرمائی اور حضرت خواجہ ضیاء الحق والدین مسند آرائے سیال شریف ہوئے۔

ایک دفعہ حضرت ثانی صاحب کے عرس مبارک پر یہ غل برپا ہوا کہ کعبہ بنانے والے شاہ صاحب آئے ہیں۔ ہم (حضرت صاحبزادہ عبداللہ صاحب) بھی ان کے دیکھنے کیلئے گئے اور ان سے اس واقعہ کے بارے میں استفسار کیا انہوں نے پہلے تو اظہار حال سے معذرت چاہی لیکن پھر ہمارے شدید اصرار پر یوں گویا ہوئے۔

میرے حضرت کے وصال کے بعد کچھ عرصہ تو میں ان وظائف واوراد کو پابندی سے ادا کرتا رہا جو میرے شیخ نے مجھے بتائے تھے پھر مجھے غیب سے آوازے آنے لگے کہ اللہ بخش تو میرا محبوب ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تو خود کعبہ بنا اور سنت خلیلی کو زندہ کر میں حیران تھا کہ مجھ سے پہلے بھی کئی اولیاء کرام کو خلعت محبوبیت عطا ہوئی لیکن کسی نے نیا کعبہ نہیں بنایا میں یہ جسارت کیسے کرسکتا ہوں۔ ایک سال تو میں اپنے موقف پر ڈٹا رہا لیکن اس کے بعد غضب ناک لہجہ میں دھمکیاں ملنے لگیں جن کی میں تاب نہ لاسکا اس طرح میں ایک کوٹھا بنا کر اس کے گرد طواف کرنے لگ گیا۔

کچھ مدت گزری تو غیبی آوازوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا مجھے کہا جاتا کہ سنت خلیلی تو تم نے ادا کردی اب سنت اسمٰعیلی ادا کرو اور ذبیح اللہ کے مقام پر فائز ہو جاؤ۔ میں نے سوچا کہ یہ تو خودکشی ہے جو حرام ہے۔ میں اس کا ارتکاب ہرگز نہیں کروں گا۔ کافی عرصہ میں اپنی ضد پر اڑا رہا لیکن پھر تو جھڑکیوں اور سرزنشوں کا سلسلہ شروع ہوگیا کہ تو کیسا محبوب ہے کہ اپنے مالک حقیقی کے حکم پر جان بھی نہیں دے سکتا۔ تجھ سے تو وہ ہندو زن بہتر ہے جو اپنے خاوند کی ارتھی پر بیٹھ کر خاکستر ہو جاتی ہے اگر تو ہمارے حکم کی تعمیل نہیں کرے گا تو کیا تو ہمیشہ کیلئے زندہ رہے گا۔ روز حشر کیا منہ لے کر ہمارے روبرو حاضر ہوگا۔ آئے روز کی ان جھڑکیوں نے مجھے بے بس کردیا اور میں اپنا گلہ کاٹنے پر آمادہ ہوگیا۔ ایک روز تیز اُسترا لے کر اپنی گردن پر چلا دیا۔ فوراً میرے شیخ حضرت خواجہ شمس العارفین بجسم ظاہر تشریف لے آئے۔ میرے ہاتھ سے استرا چھین کر دور پھینک دیا فرمایا۔ خبردار اے اللہ بخش یہ رحمانی آواز نہیں شیطانی ہے پھر آپ آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔

یوں میں اپنے مرشد کامل کی دستگیری سے دوزخ کا ایندھن بننے سے بچ گیا۔ شاہ صاحب نے گردن پر استرے کا وہ زخم بھی دکھایا جو ابھی پوری طرح مندمل نہیں ہوا تھا وہ اڑھائی انچ کے برابر تھا۔ بے شک عارف رومی نے سچ کہا ہے:

دست پیراز غائباں کوتاہ نیست

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث طیبہ اس کی تصدیق کیلئے کافی ہے۔

لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل .... حتی اکون سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یصبر بها

ایک روز حضور پیر سیال، سیال شریف میں تشریف فرما تھے۔ ہزاروں لوگ جمع تھے۔ صبح کا وقت تھا۔ حضور اپنے حجرہ میں اپنے اوراد اور وظائف پڑھ رہے تھے۔ اور قوال الگ ایک جگہ درد وسوز سے محبت بھرے اشعار سنا کر لوگوں کے ایمان کو تازہ کر رہے تھے۔ قوالوں کی آواز جب حضور نے سنی تو دل میں ان کے سننے کا شوق پیدا ہوا۔ وظائف سے فراغت پا کر حضور حجرہ سے نکل کر مجلس سماع میں تشریف لے آئے۔ قوال حضرت کے عظمت وجلال کے باعث خاموش ہوگئے حضور نے فرمایا۔

چوں دور خسروآمدے درسبو نماند

حضور کے ایک خادم مولانا حفیظ ماچی صاحب نے جب یہ سنا تو عرض کی کہ عالیجاہ! ابھی حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ چنانچہ قوالوں نے اپنے درد بھرے انداز سے یہ غزل پڑھنی شروع کی۔

شراب عشق کا ندر جام کردن
نصیب عاشق بدنام کردند
ثنائے زلف رخسار تو اے ماہ
ملائک ورد صبح و شام کردند

قوال یہ غزل گا رہے تھے۔ اور حضور انور پر وجد وکیف کی ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ ضبط اور وقار کا یہ پہاڑ جو بڑے سے بڑے واردات کو برداشت کرنے کی ہمت رکھتا تھا۔ اس نے اپنے دلی جذبات کو کبھی ظاہر ہونے کی اجازت نہ دی تھی۔ آج فرط ذوق وشوق سے بے تاب ہوگیا۔ حضور کی چشم پرنم سے ایک رنگین آنسو ٹپکا اور دایاں زانو اُٹھا اور دوسرے کو دبالیا۔ اس وقت ساری فضا میں کیف ومستی کا ایک عجیب سماں تھا۔ ہر شخص گریہ کناں تھا اور محبوب حقیقی کی محبت میں مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا۔ بڑے بڑے خواص اپنے ضبط وہوش سے

محروم ہو چکے تھے۔ معلوم نہیں اس محفل میں محبت وعشق کی دولت کس فیاضی سے تقسیم ہوئی کہ ہر شخص اپنے دامن مراد کو محبت خداوندی اور عشق رسالت پناہی سے مالا مال پا رہا تھا۔

اعلیٰ حضرت فقط کشور فقر و درویشی کے تاجدار ہی نہ تھے بلکہ ظاہری علوم وفنون میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ قرآن کریم کی آیات طیبات کی تفسیر، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی تشریح اور اکابر علما، ربانیین کے اقوال کی توضیح جب آپ اپنی زبان فیض ترجمان سے کرتے تو بڑے بڑے علما، دنگ رہ جاتے۔ مثنوی مولانا روم کی شرحیں بڑے بڑے علماء نے لکھی ہیں لیکن حضرت کا انداز سب سے نرالا اور سب سے منفرد تھا۔ مثال کے طور پر مثنوی کے پہلے دو شعروں کی جو توضیح حضرت نے اپنی محفل میں ایک روز فرمائی۔ مولانا امام دین صاحب مراۃ السالکین کی زبان سے ساعت فرمایئے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کنند
وز جدائی ہا شکایت می کنند

بشنو کا امر حق سبحانہ وتعالیٰ ہے مولوی معنوی کی زبان حق ترجمان پر اور ماموراس کا طالب ذات باری تعالیٰ اور نے سے مراد عموماً انسان کامل اور خصوصاً ذات مقدس مولوی معنوی۔ اور جدوائی سے مراد مجازی روح اور دوری روح کی مرتبۂ احدیت اور بے رنگی اور لاتعین سے ہے اور شکایت سے مراد روح کا ابتلاء کثرت اور ناسوتی کے رنگ میں یعنی نزول وجود مطلق کا بیچ مراتب تنزلات کے طرف موجودات کا مقید ہے۔ جیسا قولہ تعالیٰ، رفیع الدرجات ذی العرش میں تنزلات شستگانہ کی طرف اشارہ ہے اور نائی نے سے مراد عشق کے سالک کا دل ہے وہ گویا عین ذات حق تعالیٰ کی ہے۔ جب مفردات کے معنی معلوم ہوئے۔ پس حاصل مطلب یہ ہوا کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ منصب میرا سخن سرائی مثنوی میں نے سے زیادہ نہیں ہے جو کچھ میں کہتا ہوں۔ عشق کے نے کی آواز ہے میرے آواز نہیں۔

از وجود خود چونے گشتم تہی
نیست از غیر خدایم آگہی
بالب و ماز خویشم کرد جفت
مے نیارم برلب الاآں چہ گفت
از نیستاں تامرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد وزن نالیدہ اند

نیستان سے مراد اتحاد ارواح کا ذات متجمع صفات کے ساتھ پردہ غیب میں ہے۔

اس لئے کہ ارواح بلکہ تمام عالم اس مرتبہ میں ذرے میں مندمج تھے۔ کا شجرتی الدنبات مثل درخت مع شاخ و برگ وگل وثمر وغیرہ کے جو تخم میں پوشیدہ اور مندمج ہوتا ہے۔ یعنی ذات اسبات کی قابلیت رکھتی تھی کہ جس صورت میں چاہیے اپنے آپ کو ظاہر کرے اور نفیر سے مراد جدوائی اعتباری جو اسماء وصفات کے ظہور میں پیش آئی اور مرد سے مراد اسماء وصفات فاعلی اور زن سے مراد اسماء وصفات انفعالی ہے۔ (ص ۵۵۔۵۴/ مراۃ السالکین)

ہم دیکھتے ہیں کہ معقول ومنقول کے یکتائے روزگار علما، آپ کے نیازمندوں کی صف میں بصد ادب واحترام سر جھکائے بیٹھے ہیں اور حضرت کے علم وفضل سے اس قدر مرعوب ہیں کہ لب کشائی کی جرأت مفقود ہے۔ اپنے نورانی عہد میں جس کثرت سے علماء اتنی بڑی تعداد میں ہمیں اور کہیں نظر نہیں آتے۔ حضرت قبلہ سید پیر مہر علی شاہ صاحب جو بجا طور پر نابغۂ عصر تھے۔ وہ آپ کے چشمہ فقر و درویشی سے بھی سیراب ہوئے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کے دستر خوان علم وفضل سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ ہم جب انہیں بارگاہ شمسی میں دیکھتے ہیں تو وہ بھی حضرت کے علم وفضل کے سامنے دم بخود نظر آئے ہیں۔ اپنے بے نظیر علمی کارناموں کو محض اپنے پیر ومرشد کا فیض اور روحانی تصرف سمجھتے ہیں ور بار بار اس کا برملا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ یہاں ہم مہر منیر سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

''جب ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں حضرت لاہور میں قادیانی معرکہ سے مظفر ومنصور ہو کر واپس آئے تو جناب حضرت ثانی صاحب سیالوی کا مبارک نامہ پہنچا اس کے جواب میں لکھا۔

''کہ یہ مبارکیں عالمگیر خطہ خاک پاک سیال شریف کو شایاں ہیں۔

از رہ گزرے خاک سر کوئے شما بود

ہر نافہ کہ در دست نسیم سحر افتاد

اپنے شیخ کریم حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان اور فیضان میں بے ساختہ پہ بیں اشعار وحدت وجود کے رنگ میں قلمبند فرمائے ہیں اور انہیں ظاہر کیا ہے کہ مجھ سے جو کچھ ہو۔ کا ہے۔ وہ اسی شمس نورانی کے نور مطلق کی بدولت ہوا ہے۔ جو میرے اندر کار فرما تھا۔ حضرت نے سیف چشتیائی میں بھی ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں کہ گویا میرے شیخ میرے پاس موجود ہیں اور پنی توجہ سے مدعی قادیان کے جواب میں یہ دلائل میرے قلب میں القا فرما رہے ہیں اس خط کے آخر میں آپ نے اپنے مرشد برحق کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ جو مکمل کسی دوسرے مقام پر ملاحظہ فرمائیے۔ یہاں اس کے چند اشعار ذکر کئے جا رہے ہیں۔

شمس نورانی کہ نور مطلق است
درجہاں آفاق نورش مطبق است
گر ندادہ ست نام پاکت دست را
کس ندیدہ ست در جہاں اس مست را
ہر دو عالم درہوائش باختہ
پائے از دیدہ براہش ساختہ
سا آں سرو بستان خدا
شاہباز قدس، آں شمس العلیٰ

حضرت کے سوانح نگاروں نے حضرت کے چند اشعار بھی اپنے تذکروں میں نقل کئے ہیں۔ جن سے حضرت کے ذوق رفیع، قادر الکلامی ور جذبہ عشق ومحبت کی طغیانیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک دفعہ آپ کے استاد حضرت مولانا محمد علی صاحب نے ایک غزل لکھ کر اپنے مرشد کی خدمت اقدس میں روانہ کی جس کا پہلا مصرعہ یہ تھا۔

شہید تیر آں ترکم کہ از ابرو کماں دارد

مولانا نے اپنے شاگرد رشید کو بھی فرمایا کہ تم بھی اس زمین میں غزل کہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر چہ میں نے پہلے کبھی شعر نہیں کہا تھا لیکن ستاد محترم کے حکم کی تعمیل میں یہ غزل موزوں ہوگئی۔

مقیم کوئے آں شاہم کہ اعلیٰ آستاں دارد
ملوکش جملہ مفتون و ملائک پاسباں دارد
مثال عشق باآں شہہ خوباں عبرانی
چو آں زالے کہ در دست تنیدہ ریسماں دارد
چہ طاقت بندہ عاجز را کہ باموٰلا سخن راند
دلے از لطف و رحم او نظر بر فیض آں دارد

آپ سے پنجابی کے چند اشعار بھی منقول ہیں جو حضرت نے اپنے مرشد کامل کی وفات کے موقع پر فرماتے تھے۔

ت تانگ تساڈی دی سانگ مینوں
میری چانگ آسمانوں تے جار گئی اے
برہوں تیر فراق دا چیر گیا
مارو پیر کلیجڑے دی کھسار گئی اے
ٹھکھی، نکھ تساڈے دتے، دیکھنے دی
خوش چین سو مینوں رجھا رئی اے
شمس روگ لگا تن بھوگ میرے
ملاں ہور طبیب بجھا رئی اے

اس مختصر مقالہ میں اتنی وسعت کہاں کہ فیض وعطا کے اس بحر بیکراں کے حالات کا احاطہ کر سکے۔ اس ناچیز کے پاس نہ وہ آنکھ جو جمال

شمس الہدیٰ کو دیکھنے کی تاب رکھتی ہو۔ نہ وہ دل جو عالم محبت کی ان لطافتوں اور نزاکتوں کا آشنا ہو نہ اتنا علم کہ اس فیاض جہاں کے کارناموں کو تفصیلاً بیان کر سکے۔ اور نہ ہی وہ قلم جو نوک زبان پر ان اسرار و معارف کو لا سکے۔ دیکھنے والے اور پہچاننے والے حضرت پیر سیال کے فیض یافتگان میں سے کسی کو دیکھ لیں۔ خود ہی استاد کامل کے کمال کا پتہ چل جائے گا۔ انیسویں صدی کے تاریخ ساز ماحول میں اس محبوب الٰہی نے جو شمعیں روشن کیں۔ ان ایام میں جب کہ خزاں کی تیرہ دستیاں انتہا کو پہنچ چکی تھیں۔ جس کی مسیحا نفسی نے خزاں زدہ گلشن کو آشنائے بہار کیا۔ اس کی عظمت کا ذکر کیوں کر کیا جا سکتا ہے۔

حضرت سے فیض یافتگان کا شمار تو کہاں۔ حضرت نے جن طالبان حق کو واصل بحق کر کے خلافت بخشی۔ ان کا شمار بھی ممکن نہیں۔ جلالپور، گولڑہ، خواجہ آباد، مروالہ، بھیرہ، لاہور، ڈیرہ غازی خاں میں چشتی خانوادوں کی جو خانقاہیں دین کی عظیم تر خدمات انجام دے رہی ہیں۔ وہ کسی سے مخفی نہیں۔ یہ سب اسی مرشد کامل کی نگاہ کرم کا فیض ہے جس کے چشمے یہاں بھی اور عرب و عجم میں بہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس شمس الہدیٰ کی تابناک کرنوں سے اپنے تاریک دل منور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جس طرح آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۴ھ ہجری میں ہوئی۔ چھتیس سال کی عمر میں یعنی ۱۲۵۰ھ میں آپ کو اپنے شیخ طریقت نے خلافت عطا فرمائی۔ چنانچہ آپ نصف صدی تک مسند رشد و ہدایت پر جلوہ افروز رہے۔ اپنی صوری اور معنوی رعنائیوں سے دلوں کو فریفتہ کرتے رہے۔ اپنے روحانی تصرفات اور باطنی توجہات سے بندگان خدا کا ٹوٹا ہوا تعلق اپنے رب سے جوڑتے رہے۔ سیکڑوں کی تعداد میں آپ کے باکمال خلفا، ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے اور بڑے سوز و گداز سے دعوت حق میں مشغول ہو گئے۔ افسردگی، غفلت نے جہاں ڈیرے جما رکھے تھے۔ وہاں ذکر و فکر کی محفلیں ذہنوں کو جلا اور دلوں کو ضیا بخشنے لگیں۔ ویران مسجدیں آباد ہو گئیں۔ گوشے گوشے سے اللہ اکبر کی دلنواز صدائیں اور حی علی الصلوٰۃ کی روح پرور دعوتیں فردوس گوش بننے لگیں۔ آپ کے خلفاء نے اپنے اپنے مقام پر خانقاہیں قائم کیں۔ ساتھ ہی قرآن و سنت کی تدریس و تعلیم کیلئے مدارس معرض وجود میں آ گئے۔ ہر خانقاہ حال و قال کا ایسا حسین امتزاج پیش کرنے لگی۔ کہ عقول اور قلوب دونوں سیراب ہونے لگے۔

آپ کے دست حق پرست پر جس نے بھی بیعت کی اس کا دل فسق و فجور کی آلائشوں سے متنفر ہو گیا۔ ذکر الٰہی کے بغیر اسے قرار ہی نہیں آتا تھا۔ شریعت کی پابندی اس خانوادہ کا امتیازی نشان ہے۔

پچاس سال یہ شمس منیر مطلع رشد و ہدایت پر نور افشانیاں کرتا رہا اور جس کا بھی بلا واسطہ یا بالواسطہ اس تاجدار فقر و معرفت کے ساتھ قلبی ربط قائم ہوا۔ اس کی دنیا بدل گئی اس کا بخت خفتہ بیدار ہو گیا۔

انتقال پر ملال:۔

جب ۱۳۰۰ھ کا آغاز ہوا۔ محرم الحرام کی پندرہ تاریخ تھی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے ولی عہد اور فرزند ارجمند حضرت خواجہ محمد الدین صاحب (جو حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے معروف ہیں) کو اپنے خاص حجرہ میں بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور ارشاد فرمایا۔ اے فرزند! دنیا کے حالات ہر وقت بدلتے رہتے ہیں کبھی خوشحالی، کبھی تنگدستی، ہمارے دادا صاحب کئی گاؤں کے مالک تھے اور دولت و ثروت کی فراوانی تھی اس طرح والد ماجد بھی خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب میرا زمانہ آیا۔ میں نے تحصیل علوم کیلئے سفر اختیار کیا بعد ازاں خواجہ خواجگان محمد سلیمان تونسوی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ دن بدن معاشی حالت بگڑنے لگی یہاں تک کہ فاقہ کی نوبت آنے لگی اور کبھی کبھی تو سات سات دن فاقہ میں گزر جاتے۔ لیکن میں نے یہ راز کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور خواجہ تونسوی کی برکت سے کسی چیز کی کمی نہیں لیکن اس دنیائے فانی کی کسی چیز کے ساتھ مجھے قطعاً کوئی الفت نہیں۔ البتہ دو چیزوں سے مجھے پیار ہے۔ کیونکہ یہی دونوں چیزیں پیران عظام سے مجھے مرحمت ہوئی ہیں۔ اول محبت درویشاں، دوم اطاعت پیر و مرشد، تم توکل تسلیم اور صبر و قناعت کو اپنا معمول بنانا ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ درویشوں اور عالموں سے محبت رکھنا صاحبزادہ صاحب نے (حضور ثانی صاحب سے التماس کیا کہ یا حضرت دولت ظاہری کی حاجت نہیں ہے نعمت باطنی جو پیران عظام نے آنحضرت کو عطا فرمائی ہے۔ اس سے عنایت فرمایئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا" املاک ظاہری قبول کرو۔ املاک معنوی باطنی سے اللہ تعالیٰ تم کو مالا مال فرمائے گا۔" صاحبزادہ صاحب نے پھر گزارش کی کہ میری تمنا ہے کہ حضور چالیس برس تک اور سلامت رہیں تاکہ اس چشمۂ شیریں سے پیاسے سیراب ہوتے رہیں۔ یہ سن کر حضرت خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا اے فرزند! ہم کو چالیس روز تک جینے کا بھی اعتبار نہیں۔ کیونکہ میں نے اپنے پروردگار سے یہ التجا کی ہے کہ میری عمر، میرے پیر و مرشد خواجہ تونسوی کی عمر کے موافق ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ ماہ صفر میں میرے مرشد نے

انتقال فرمایا تھا۔ شاید ہماری رحلت بھی اس ماہ صفر میں ہووے۔

جدائی کی یہ خبر حضور ثانی کے خرمن صبر وضبط پر بجلی بن کر گری اور آپ نے زار وقطار رونا شروع کر دیا۔ صاحبزادہ صاحب کی آہ وزاری اور بے چینی کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا اے نور چشم! میں چاہتا تھا کہ اسرار یزدانی سے تم کو آگاہ کروں مگر تم تھوڑی سی بات سے بے خود ہو گئے ہو دنیا کی زندگی کا اعتبار نہیں۔ کل نفس ذائقۃ الموت کے مطابق ہر شخص نے موت کا شربت پینا ہے۔ پھر آپ نے دوسرے صاحبزادروں۔ جناب صاحبزادہ حافظ فضل الدین صاحب، جناب صاحبزادہ شعاع الدین صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اگر مندرجہ بالا مستحبات تم سے ادا نہ ہو سکیں۔ تو فرائض کو مت ترک کرنا بلکہ تم پر لازم ہے کہ پیران عظام کی متابعت اور حق تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہو۔

ایک روز حضرت صاحبزادہ محمد دین صاحب کو فرمایا کہ آپ تونسہ شریف میں حضرت خواجہ کریم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ مگر یاد رکھنا، جلدی واپس آنا، دیر مت لگانا، چنانچہ حسب ارشاد قبلہ صاحبزادہ صاحب تونسہ شریف روانہ ہوئے۔ ۱۸ ماہ صفر کو نماز تہجد سے فارغ ہونے کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو بخار کا عارضہ لاحق ہوا۔ حکماء واطباء نے بڑی کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ صاحبزادہ صاحب ۲۱ ماہ صفر کو منگل کے دن تونسہ شریف کی حاضری سے واپس آئے۔ حاضر خدمت ہو کر مزاج پرسی کی آستانہ عالیہ کے حالات سے آگاہ کیا۔ اور جو ادویہ آپ واپسی کے وقت لیہ کے کسی حاذق طبیب سے لے آئے تھے ان کا استعمال شروع ہوا۔ آخری عمر میں سماعت کم ہو گئی تھی۔ اس لئے لوگ اپنے حالات لکھ کر خدمت بابرکت میں پیش کیا کرتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ فضل الدین صاحب نے وظائف کی اجازت طلب کی۔ حضور نے ارشاد فرمایا اے فضل الدین! ہمارے تمام وظائف کی تم کو اجازت ہے۔ ۲۲ ماہ صفر حضرت خواجہ نے مولانا مرد علوی کو فرمایا کہ تم بھی کچھ لکھو۔ مولانا نے صاحبزادروں کی طرف سے ایک درخواست پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ آنجناب کے آستانہ عالیہ سے سعادت دارین اور مطالب کونین کے حصول کیلئے بے شمار لوگ آتے ہیں۔ کسی صاحبزادہ صاحب پر نظر شفقت فرمایئے تا کہ خاندان چشت کا یہ فیض ہمیشہ جاری رہے۔ حضور نے درخواست کا مطالعہ فرمایا لیکن خاموشی اختیار کی۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے پھر یہ درخواست پیش کی۔ اعلیٰ حضرت نے ملاحظہ فرما کر دعا کیلئے دست مبارک اٹھائے اور زبان مبارک سے بھی کچھ فرمایا جو سمجھا نہ جا سکا۔ نقاہت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ صفر کی چوبیسویں رات تھی حضور حاضرین سے بار بار دریافت فرماتے کہ فجر طلوع ہوئی ہے یا نہیں۔ پھر پوچھا آج کون سا دن ہے اور کیا تاریخ ہے؟ کسی نے عرض کیا اے جان عالم! آج جمعہ کا دن ہے اور ۲۴ ماہ صفر حضور نے دست مبارک میں تسبیح لے کر چند بار درود شریف پڑھا پھر ذکر پاک انفاس میں مشغول ہوئے۔ جب فجر طلوع ہوئی دو رکعت نماز فجر اشارہ سے ادا فرمائے پھر پاک انفاس میں مشغول ہو گئے۔ حاضرین کی طرف محبت بھری اور الوداعی نگاہوں سے دیکھا اور قبلہ رو ہو گئے اور علامات وصال آپ پر ظاہر ہوئیں اس طرح شمس مطلع ہدایت ومحبت، نصف صدی تک محبت اور عشق کی دولت لٹانے کے بعد اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا۔ ان للہ وانا الیہ راجعون۔

ہر سال ماہ صفر کی بائیس تیئس، چوبیس تاریخ کو آستانہ عالیہ سیال شریف پر عرس مبارک منعقد ہوتا ہے۔ جس میں آج بھی ملک اور بیرون ملک سے بے شمار مخلوق فیضیاب ہونے کیلئے حاضر ہوتی ہے اور حضرت کے آستانہ عالیہ کے موجودہ سجادہ نشین نائب شیخ الاسلام والمسلمین حضور امیر شریعت الحاج الحافظ خواجہ محمد حمید الدین قمری سیالوی مدظلہ الاقدس کی ذات گرامی اپنے علمی کارناموں، دینی عظمت، سیاسی اور ملکی خدمات جلیلہ کے باعث فخر روزگار ہے۔ مولا کریم اس عظیم ہستی کو تا ابد سلامت باکرامت رکھے اور حضرت کے سارے خاندان اور صاحبزادگان والا تبار کو ان روحانی، علمی، اخلاقی عظمتوں کا وارث کرے جو ان کے اسلاف کا حصہ تھیں۔ آمین

☆☆☆

ایران میں اہل سنت کی مساجد و مدارس دینیہ

ایک اجمالی نظر

ترجمہ: جاوید اقبال قزلباش

المجمع العالمی للتقریب بین المذاہب الاسلامیہ کی جانب سے جاری شدہ اعلامیے

"نظرۃ اجمالیۃ الی وضع المساجد والمدارس الدینیہ لاہل السنۃ فی ایران"

مطبوعہ در رسالۃ التقریب جمادی الاول وجمادی الآخرۃ ۱۴۳۰/العدد ۲۷، کا اردو ترجمہ بشکریہ سہ ماہی پیغام آشنا

بے شک انقلاب اسلامی ایران کے بپا ہو جانے کے بعد زندگی کے معاشرتی، اقتصادی، ثقافتی اور دینی شعبوں میں اسلامی منہاج کے اوپر بے شمار مثبت تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اسلامی جمہوریہ ایران نے جس معتدل انداز سے اسلامی فرقوں کو ایک متوازن شکل میں مذہبی اور دینی اقلیتوں کے طور پر شہری حقوق عطا کیے اس کے عجیب آثار کو عالم اسلام میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

چنانچہ اسلامی ثقافت کے دائرہ کمک رسانی میں عام لوگوں اور مذہب اسلامیہ کو خاص طور سے سہولیات اور وسائل کی فراہمی پر ایک اجمالی نگاہ کرنا قوانین کے دائرہ میں، حکومتی شعبوں میں اور مثبت اشاروں کی جانب نگاہ کرنا اس بات کی ایک بہتر دلیل فراہم کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ان شعبوں کے ایک چھوٹے سے حصے کے متعلق بیان کرتے ہیں جس میں ایران میں اہل سنت کے مدرسے، مساجد اور مشائخ شامل ہیں جبکہ باقی تمام شعبوں کے ذکر سے صرف نظر کرتے ہیں۔

عام تصویر:

اہل سنت کی اصطلاح کا اطلاق چار مذاہب کے پیروکاروں پر ہوتا ہے جو حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کو شامل ہیں اور عالم اسلام میں مسلمانوں کی غالب اکثریت انہیں پر مشتمل ہے۔ اہل سنت کی ایران میں غالب اکثریت شافعیوں اور حنفیوں پر مشتمل ہے۔ اول الذکر کی زیادہ تر تعداد ایران کے مغرب اور جنوب میں چار صوبوں میں، جبکہ حنفی مسلک کے پیروکار ایران کے مشرق اور جنوب (بلوچستان اور جنوبی خراسان) اور ترکمان کے صحرائی علاقے اور صوبہ گلستان میں آباد ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اہل سنت کا تناسب ایران کی مجموعی آبادی کے ۱۰% سے بھی کم ہے۔

ایران میں شافعی مذہب کے پیروکار:

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ایران میں شافعی فقہ کے ماننے والوں کی تعداد ۲۹۲۳۹۸۵ ہے جو چار صوبوں میں آباد ہے اور جو اہل سنت کی عام مجموعی آبادی کا ۵۹ فیصد حصہ ہے۔ ان کی غالب اکثریت مغربی آذربائیجان، کردستان، کرمان شاہ اور اس کے گردونواح کے علاقوں میں آباد ہے اور ان میں سے اکثریت کردوں کی ہے اور اس کے بعد شافعی فرقے کے لوگ ہرمزگان، بوشہر کے صوبوں میں آباد ہیں اور یہ ایران کی شافعی آبادی کا ۱۵ فیصد ہیں اور یہ لوگ تالش اور زوجح کے شہروں میں زندگی گزارتے ہیں اور اس طبقے کی درصد آبادی جدول نمبر ۱ میں ظاہر کی گئی ہے۔

جدول ۱: شافعی اہل سنت کا فیصد تناسب

صوبہ	تعداد افراد	تعداد شافعی	فیصد تناسب
کردستان	۱۴۳۰۹۱۹	۱۰۴۲۵۴۷	۸۴/۷ فیصد
مغربی آذربایجان	۲۲۷۹۲۲۴	۸۷۶۳۳۸	۳۸/۴۵ فیصد
کرمانشاہ	۱۹۵۰۰۰۰	۳۹۰۰۰۰	۲۰ فیصد
ھرمزگان	۱۰۰۰۰۰۰	۴۰۰۰۰۰	۴۰ فیصد
بوشہر (کنگان وغیرہ)	۶۲۲۸۲۹	۲۳۲۰۰	۳۰/۷۲ فیصد
فارس (اوزجح)	۳۵۴۸۸۲۸	۵۹۷۰۰	۱۰/۶۸ فیصد
گیلان (تالش وغیرہ)	۲۲۰۴۰۴۷	۱۰۰۰۰	۴۰/۵۳ فیصد
باقی علاقے	۴۴۲۰۳۴۳	۳۲۲۰۰	۷۲ فیصد

ایران میں مسلک حنفی کے پیروکار:

ایران میں مذہب حنفی کے پیروکاروں کی تعداد ۲۰۲۹۶۸۷ ہے اور وہ سیستان اور بلوچستان، گلستان اور خراسان کے صوبوں میں کچھ اس طرح ساکن ہیں کہ حنفیوں کی ایران کے مشرق میں مجموعی تعداد ۹/۹۱ فیصد ہے اور شمالی ایران میں ترکمانی بھی ہیں جو آپس میں جڑے ہوئے جغرافیائی علاقوں میں موجود ہیں۔ ہم ذیل کے جدول نمبر ۲ میں آبادی کا یہ تناسب دیکھتے ہیں:

جدول نمبر ۲: آبادی کا فیصد حنفی سنی تناسب

صوبہ	تعداد باشندگان	تعداد حنفی	فیصد

سیستان اور بلوچستان	۱۴۵۲۰۴۵	۹۲۴۰۶۰	۶۳/۶۴ فیصد
گلستان اور مازندران	۳۷۹۳۱۴۹	۶۷۲۰۰۰	۱۷/۷ فیصد
خراسان	۶۰۱۳۲۰۰	۴۳۳۶۲۷	۷/۲۱ فیصد

ایران میں اہل سنت مسلمانوں کے جغرافیائی خطے

شافعی مسلک کے جغرافیائی منطقے:

کردستان کا صوبہ ۸ شہروں پر مشتمل ہے جن میں جغرافیائی تقسیم کے حساب سے بیجار، قروہ، سنندج، سقز، بانہ، دیوان درہ، کامیاران ومریوان شامل ہیں۔ اس صوبے میں اہل سنت کی آبادی پانچ شہروں میں موجود ہے جن میں سردشت، بوکان، مہاآباد، پیرنشہر، اشنوہ شامل ہیں جبکہ صوبہ ھرمزگان میں اہل تسنن بندرعباس، بندرلنگہ، قشم، میناب، جاسک، لبستک، کاہ بندی اور بندرخمیر کے شہروں میں مقیم ہیں اوران میں سے شافعی جملہ اہل سنت کی آبادی کا ۴۰ فیصد ہیں جبکہ ان کی اکثریت شہرلبستک میں یعنی اس شہر کی آبادی کا ۹۷ فیصد جبکہ ان کی کم سے کم آبادی کیش میں ہے جس کا تناسب ۹/۵ فیصد بنتا ہے۔

جدول نمبر۳: صوبہ ھرمزگان میں سنی مسلک آبادی

شہر	فیصد آبادی	طلبہ اور مشائخ کی آبادی	دینی مدرسے	مساجد
بندرعباس	۳۰/۲۹	۱۱۱۵	۳	۱۲۶
بندہ لنگہ	۸۰	۵۱۰	۳	۲۳۰
قشم	۸۰/۴۳	۳۶۰	۶	۲۱۲
میناب	۱۵/۷۹	۴۵۰	۳	۸۹
جاسک	۴۶	۱۸۰	۱	۱۱۰
لبستک	۹۷	۷۱۰	۶	۲۰۰
پارسیان	۷۵	۳۴۰	۳	۱۴۴
بندرخمیر	۸۷	۳۳۵	۴	۱۰۰
کیش	۹/۵	۱۲	-	۲
کل تعداد	۴۰	۴۰۱۲	۲۹	۱۱۹۳

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ انقلاب اسلامی کے بعد یہاں اہل سنت کے ۲۹ مدرسے بن گئے جب کہ انقلاب سے پہلے ان کے تعداد صرف چار تھی اور یہ امر مذہبی آزادی کی ایک واضح دلیل ہے۔

صوبہ کرمانشاہ:

صوبہ کرمانشاہ کی کل آبادی کا ۲۰ فیصد حصہ اہل سنت کا ہے اور اس کی اکثریت شہر باوہ میں آباد ہے۔ جہاں اہل سنت کی آبادی کا ۹۰ فیصد حصہ موجود ہے اور قصرشیریں اور کرند کے شہروں میں وہ آبادی کا ۹% ہیں جو اس صوبے میں کم سے کم ہے۔

جدول نمبر۴: صوبہ کرمانشاہ کے سنی حوزہ ہائے علمیہ میں طلاب دینیہ اور مشائخ کا تناسب

شہر	طلاب ومشائخ	شہر میں اہل سنت کی فیصد آبادی
کرمانشاہ	۴۵	۱۴۰۵ فیصد
جوانرود	۲۲۵	۹۷ فیصد
پاوہ	۱۳۰	۹۹ فیصد
سرپل ذہاب	۴۰	۴۰ فیصد
روانسر	۸۵	-
ثلاث باباجانی	۶۰	-
باقی ماندہ شہر	۱۱۵	-
کل تعداد	۷۰۰	-

انقلاب اسلامی کے بعد صوبہ کرمانشاہ میں بھی دوسرے صوبوں ہی کی طرح حوزہ ہائے علمیہ میں طلاب دین اور مشائخ وعلما کی تعداد بڑھ کر چار گنا ہوگئی، یعنی ۱۱۷۰۰ افراد تک پہنچ گئی۔

اسی طرح اس صوبہ میں انقلاب اسلامی بپا ہونے سے اب تک اہل سنت کی جامعات علوم دینی کی تعداد بھی تقریباً تین گنا ہوگئی ہے یعنی یہ تعداد ۱۲۳ مدرسوں سے بڑھ کر ۴۲۰ تک پہنچ چکی ہے۔

حنفی مسلک کے پیروکاروں کے علاقوں کا جغرافیائی محل وقوع

1۔ صوبہ سیستان وبلوچستان

سیستان اور بلوچستان کے صوبے ایران میں حنفی مسلک سنی آبادی کے اہم مناطق ہیں اور یہ لوگ صوبے کے جنوب میں آباد ہیں اور کل آبادی کا ۶۴ فیصد ہیں، گویا یہاں سنیوں کی اکثریت نیک شہر، چابہار، سراوان، خاش، ایرانشہر، زاہدان اور زاہل کے شہروں میں آباد ہے۔

جدول ۵: صوبہ سیستان اور بلوچستان میں اہل سنت کے کوائف

شہر	فیصد آبادی	تعداد طلاب دینی اور مشائخ	دینی مدرسے	مساجد
زاہدان	۴۹۰/۲	۴۰۰۰	۲۰	۵۱۶
زاہل	۷/۹۵	۳۵۰	۴	۲۸۷
خاش	۹۰/۶۱	۱۷۰۰	۱۵	۲۶۲
سراوان	۹۷/۳۹	۲۴۰۰	۱۷	۸۰۳
ایرانشہر اور سرباز	۸۸	۳۵۰۰	۱۶	۸۲۴
نیک شہر	۹۸/۷۵	۱۳۰۰	۷	۴۷۵
چابہار اور کناوک	۹۸/۱	۲۸۰۰	۱۵	۸۶۲
کل تعداد	۶۳/۶۴	۱۵۱۵۰	۹۴	۴۰۲۹

۲۔ صوبہ گلستان:

صوبہ گلستان میں اہل سنت کی آبادی ایک اہم تناسب سے ہے۔ یہاں حنفی مذہب لوگ آباد ہیں اور ساکنین کی تعداد کے حساب سے اہل سنت کی یہ آبادی ایران میں دوسرے نمبر پر ہے۔

جدول ۶: صوبہ گلستان مسلک اہل سنت کے کوائف

شہر	فیصد آبادی	تعداد طلبا دینی اور مشائخ	مدارس دین	مساجد
مشہد	۰/۰۰۵	۱۵۰	۲	۴۹
درگز	۷/۹	۲۰	-	۷
بجنورد	۱۰/۴۸	۶۷۵	۲۱	۱۵۵
سرخس	۳۳/۳	۶۵	-	۶۱
تربت جام	۵۶/۱۷	۴۷۰	۵	۱۷۶
تایباد	۶۷	۶۱۵	۶	۱۷۷
خواف	۶۷	۵۶۵	۳	۱۴۱
قائنات	۳/۲۳	۱۵	-	۲۰
بیرجند و نهبندان	۸/۳۳	۲۸۰	۲۳	۱۳۵
فریمان	-	۲۵	-	۱۰
صالح آباد	-	۱۲۵	۱	۹۳
کل تعداد	۷/۲۱	۳۰۰۰	۴۱	۱۰۴۵

ایران میں سنی مذہبی جوامع اور گروہ بندیاں:

سنی طبقات کے طلاب دینی اور مشائخ ۴ گروہوں میں منقسم ہیں: مغربی ایران میں شافعی مذہب، جنوبی ایران میں شافعی مذہب، شرقی ایران میں حنفی، شمالی ایران میں حنفی مذہب۔

اہل سنت دینی طلبہ اور مشائخ کی تعداد شہروں کے حساب سے:

ایران میں سنی (حنفی اور شافعی) طلاب دینی اور مشائخ کی تعداد ۳۳۳۱۷ نفر ہے اور یہ امر انقلاب اسلامی بپا ہو جانے کے بعد دینی مدرسوں کے طلاب اور مشائخ کی تعداد میں اضافے کی واضح دلیل ہے۔ ہم اس تعداد میں اضافے اور نمو و رشد کی ترتیب کچھ یوں ہے ۲۲۶۵ طالب علم اور مشائخ حنفی مسلک کے اور ۱۰۶۶ شافعی مسلک کے ہیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حنفی مذہب کے طلبا دینی اور مشائخ کی تعداد شافعی مسلک والوں سے زیادہ ہے۔

جدول ۷: ایران کے سنی دینی مدارس میں آبادی کے لحاظ سے فیصد طلبا اور مشائخ:

صوبہ	طلبا و مشائخ	فیصد آبادی	دینی مدارس
سیستان و بلوچستان	۱۵۱۵۰	۴۵/۵	۹۴
گلستان	۴۵۰۰	۱۳/۵	۹۳
مغربی آذربایجان	۲۷۷۶	۸/۳	۹۰
خراسان	۳۰۰۰	۹	۴۱
ہرمزگان	۴۰۱۲	۱۲	۲۹
کردستان	۲۲۲۸	۶/۶	۱۱۳
کرمانشاہ	۷۰۰	۲/۱	۱۵
اورنج وغیرہ	۵۳۷	۱/۶	۵
بوشہر (کنگان)	۱۵۹	۰/۴۷	۲
گیلان (تالش وغیرہ)	۲۵۵	۰/۴۷	۲

کل تعداد	۳۳۳۱۷	۱۰۰	۴۸۴

سنی مدارس اور حوزہ ہائے دینی:

اجمالی طور پر مغربی ایران کے شافعی (کرد اہل سنت) کی تعداد تقریباً ۲۳۰۸۸۸۵ افراد ہے جو مغربی آذربائیجان، کردستان اور کرمانشاہ میں آباد ہیں اور اس آبادی میں ۲۱۸ دینی مدرسے اور ۵۷۰۴ طلاب دینی اور مشائخ موجود ہیں۔

جدول ۸: مغربی ایران میں شافعی طلاب دینی اور مدرسوں کا تناسب

صوبہ	طلباء دین اور مشائخ کی تعداد	فیصد آبادی	دینی مدرسے	فیصد تناسب
کردستان	۲۲۲۸	۳۹/۵۶	۱۱۳	۵۱/۸۳
مغربی آذربائیجان	۲۷۷۶	۴۸/۶۶	۹۰	۴۱/۲۸
کرمانشاہ	۷۰۰	۱۲/۲۷	۱۵	۶/۸۸
کل تعداد	۵۷۰۴	۱۰۰	۲۱۸	۱۰۰

اسی طرح جنوبی ایران میں شافعی مسلک افراد کی کل تعداد ۴۲۳۲۰۰ ہے جو ایران کی کل سنی آبادی کا ۸/۶ فیصد ہے اور کل شافعی آبادی کا ۴/۷ فیصد ہے۔ جنوبی ایران میں اور صوبہ ہرمزگان کی حدود میں شافعی المذہب ۲۹ مدرسے اور ۴۰۱۲ طلاب دینی اور مشائخ موجود ہیں جبکہ شہر بوشہر میں ان کے ۲ مدرسے اور ۵۹ سنی طلبا اور شیوخ ہیں۔

مشرقی ایران میں حنفی دینی مدرسے:

اجمالی طور پر مشرقی ایران میں حنفی المذہب لوگوں کی آبادی ۱۳۵۷۶۸۷ نفوس پر مشتمل ہے جو ایران کی مجموعی حنفی آبادی کا ۶۷ فیصد اور کل اہل سنت آبادی کا ۲۷ فیصد ہے۔ مشرقی ایران میں ۱۸۱۵۰ حنفی دینی طلاب اور مشائخ ہیں۔ ان میں سے ۱۵۱۵۰ صوبہ سیستان و بلوچستان میں ہیں اور یہ تعداد اہل سنت طلاب دینی کا ۴۵ فیصد ہے جبکہ آبادی کا ۲۷ فیصد اہل سنت ہے اور ان کے لیے ۹۴ مدرسے اور ۳۰۰۰ طلاب اور شیوخ موجود ہیں اور اس صوبے میں مشرقی ایران کی حنفی آبادی کا ۳۲ فیصد آباد ہے۔

شمالی ایران میں دینی مدرسے:

شمالی ایران کی حنفی المسلک آبادی ۲۰۰۰ ۶۷ نفوس پر مشتمل ہے جن کی اکثریت صوبہ گلستان کے ترکمن ہیں۔ صوبہ گلستان میں ۴۵۰۰ طلاب دینی اور حوزوی مشائخ جبکہ ۹۳ مدرسے حنفی مسلک کے ہیں جو ایران کے سنی مدرسوں کی مجموعی تعداد کا ۱۹/۲ فیصد اور ایران کے کل حنفی مدارس کا ۴۰/۷ فیصد بنتا ہے۔ ایران میں ترکمانی حنفی کل حنفی آبادی کا ۴۰ فیصد ہیں جبکہ ان کے ۹۳ دینی مدرسے ہیں۔

رفاہی اور فلاحی خدمات:

حکومت کی جانب سے جو رفاہی، اقتصادی خدمات انجام دی جاتی ہیں ان میں خصوصی طور پر جو چیز اہم ہے، وہ یہ ہے کہ حکومت علوم دین کے طلبہ کی ہر سال تین مراحل میں ضروری مساعدت اور مدد کرتی ہے۔ ہر چار ماہ کے وقفے سے ان افراد کی مساعدت کی جاتی ہے جو چاول، گوشت، گھی اور چینی کے راشن کی صورت میں ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ معاشرتی ضمانت اور ماہانہ وظیفہ جو محکمہ اوقاف کی طرف سے دیا جاتا ہے اور جو فوجی خدمات کی معافی دوران درس دی جاتی ہے اس میں تمام مشائخ، اور ائمہ جمعہ و جماعات اور طلاب دینی شامل ہوتے ہیں۔

جدول ۹: ۲۰۰۹ء کے لیے امداد کی تقسیم کا جدول (تین مراحل میں) ٹن کے حساب سے

صوبہ	طلباء دین اور مشائخ کی تعداد	فیصد آبادی	دینی مدرسے	فیصد تناسب
کردستان	۲۲۲۸	۳۹/۵۶	۱۱۳	۵۱/۸۳
مغربی آذربائیجان	۲۷۷۶	۴۸/۶۶	۹۰	۴۱/۲۸
کرمانشاہ	۷۰۰	۱۲/۲۷	۱۵	۶/۸۸
کل تعداد	۵۷۰۴	۱۰۰	۲۱۸	۱۰۰

ایران میں طبقہ اہل سنت کی مساجد اور نماز جمعہ:

ایران میں مساجد خواہ وہ سنیوں کی ہوں یا شیعوں کی وہ وفاق اور وطنی وحدت اور اتحاد بین المسلمین کی دعوت دیتی ہیں۔

ایران میں اہل سنت کی مساجد کی تعداد:

ان علاقوں میں جہاں شافعی اور حنفی فقہ کے پیروکار رہتے ہیں وہاں نماز جمعہ اور جماعات اور مساجد کی تعداد کی تفصیل یوں ہے۔ سروے کے مطابق اہل تسنن کی ایران میں ۱۲۲۲۲ جامع مساجد موجود ہیں۔ انقلاب اسلامی بپا ہونے کے بعد ایران میں سنی مساجد کی تعداد میں ایک عظیم اضافہ دیکھنے میں آیا۔ یہاں تک کہ اس کا قبل از انقلاب کے زمانے سے کوئی مقابلہ اور موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ صرف شہر زاہدان میں ۵۱۶ سنی جامع مساجد ہیں جبکہ ۱۹۷۹ء (سال انقلاب اسلامی) میں یہ تعداد صرف ۱۶ تھی اسی طرح سے صوبہ کرمانشاہ میں ۴۲۰ سنی جامع مساجد ہیں جن کی قبل از انقلاب تعداد ۱۲۳ تھی۔

جدول ۱۰: ایران میں سنی مساجد کے متعلق اجمالی تفصیل:

صوبہ	مساجد کی تعداد	کل افراد
فارس (اوز خنج وغیرہ)	۲۳۲	۲۵۷
بوشہر (کنگان)	۱۱۵	۲۰۲
کردستان	۲۰۰۰	۵۲۱
خراسان	۱۰۲۵	۶۲۳
ہرمزگان	۱۹۳	۳۳۵
مغربی آذربائجان	۱۱۹۳	۴۸۲
سیستان وبلوچستان	۱۸۰۰	۴۸۲
گلستان	۱۲۳۳	۵۴۵
گیلان (تالش وغیرہ)	۱۷۵	۵۷۱
کرمانشاہ	۴۲۰	۹۲۸
میزان	۱۲۲۲۲	-

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ اعداد و شمار کے مطابق شافعی مذہب کی آبادی ایران کی کل سنی آبادی کا ۵۸/۳ فیصد اور ان کی جامع مساجد ۵۹۳۵ ہیں اور یہ ایران میں موجود اہل سنت کی کل مساجد کا ۴۸/۵ فیصد ہیں، جبکہ حنفیوں کی ایران کے مشرق اور شمال میں ۶۲۸۷ جامع مساجد ہیں اور ان کا تناسب سنی مساجد کا ۵۱/۵ فیصد ہے۔

جدول ۱۱: شافعی اور حنفی مسلک طبقات کی مساجد کا فیصد

مذہب	مساجد کی تعداد	فیصد تناسب	کل افراد فی مسجد
شافعی	۵۹۳۵	۴۸/۵ فیصد	۶۹۲
حنفی	۶۲۸۷	۵۱/۵ فیصد	۳۲۳
میزان	۱۲۲۲۲	۱۰۰ فیصد	-

مغربی ایران کی شافعی مساجد:

مغربی ایران میں کرد شافعیوں کی ۴۲۲۰ مساجد ہیں اور صوبہ کردستان میں ہم اس سے بھی زیادہ تعداد میں ان کی مساجد کا مشاہدہ کرتے ہیں اور مغربی شہروں میں کردوں کے ہر ۵۲۱ نفر کے لیے ایک جامع مسجد موجود ہے جبکہ مغربی ایران میں شافع کل سنی آبادی کا ۴۶ فیصد اور ان کی مساجد کل سنی مساجد کا ۳۴/۵ فیصد ہیں۔

جدول ۱۲: مغربی ایران کی سنی آبادی اور اس نسبت سے شافعی مساجد

صوبہ	سنی طبقے کی اجمالی تعداد	سنی مساجد	فیصد تناسب	کل کتنے اشخاص کیلئے
کردستان	۱۰۴۲۵۴۷	۲۰۰۰	۴۷/۳۹	۵۲۱
مغربی آذربائجان	۸۷۹۳۳۸	۱۸۰۰	۴۲/۹۵	۴۸۷
کرمانشاہ	۳۹۰۰۰۰	۴۲۰	۹/۹۵	۹۲۸
میزان	۲۳۰۸۸۸۵	۴۲۲۰	۱۰۰	۔

جنوبی ایران میں شافعی مساجد:

شافعی مسلک کے پیروکار ہرمزگان، بوشہر کے صوبوں اور شہر اوزوخج (جنوب ایران) میں آباد ہیں اور ان کی ۱۵۴۰ جامع مساجد ہیں جن میں سے ۱۱۹۳ صوبہ ہرمزگان، ۱۱۵ بوشہر اور ۲۳۲ جامع مساجد شہر اوزوخج میں موجود ہیں۔ اس اعداد و شمار کی رو سے جنوب میں شافعیوں کی مساجد ایران کی کل سنی مساجد کا ۱۲/۶ فیصد اور عددی لحاظ سے ایران کی کل شافعی مساجد ۲۵/۹ فیصد ہیں۔

جدول ۱۳: جنوبی ایران میں آبادی کے لحاظ سے شافعی مساجد کا فی صد تناسب

صوبہ	سنی طبقے کی اجمالی آبادی	سنی مساجد	فیصد تناسب	کتنے افراد کے لیے ایک مسجد ہے
ہرمزگان	۴۰۰۰۰۰	۱۱۹۳	۷۷/۵	۳۳۵
بوشہر (کنگان)	۳۲۳۰۰	۱۱۵	۷/۵	۲۰۲
فارس (اوزوخج)	۵۹۷۰۰	۲۳۲	۱۵	۲۵۷
میزان		۱۵۴۰	۱۰۰	

مشرقی ایران میں حنفی مساجد:

مشرقی ایران میں حنفی مسلک کی ۵۰۵۴ مساجد ہیں جن میں سے ۴۰۲۹ جامع مسجدیں صوبہ بلوچستان جبکہ ۱۰۲۵ مساجد صوبہ خراسان میں موجود ہیں۔

صوبہ	سنی مسلک کی آبادی	سنی مساجد کی تعداد	فیصد تناسب	کتنے افراد کے لیے ایک مسجد ہے
سیستان و بلوچستان	۹۲۴۰۶۰	۴۰۲۹	۷۹/۷	۲۲۹
خراسان	۴۳۳۶۲۷	۱۰۲۵	۲۰/۳	۴۲۳
کل تعداد	۱۳۵۷۶۸۷	۵۰۵۴	۱۰۰	۔

شمالی علاقوں میں حنفی مساجد:

حنفی ترکمانوں کی ۱۲۳۳ مساجد ہیں، چنانچہ ہر ۱۵۴۵ افراد کے لیے ایک جامع مسجد موجود ہے۔ مساجد کو مسلمانوں کی زندگی، خاص طور سے عبادتی اور دینی زندگی میں اہم مراکز کی حیثیت حاصل ہے اور ان کے اقامہ جمعہ و جماعات کے اہتمام کو مدنظر رکھتے ہوئے بے شک مساجد کا ان مناسبات میں اور دینی و مذہبی فرائض کی ادائیگی میں ممتاز اور اہم کردار ہے۔ ان مساجد کا جو علی الظاہر سنی اور شیعہ مساجد ہیں معاشرتی احیا خاص طور پر اسلامی انقلاب کے بپا ہو جانے کے بعد ہوا۔

اسلامی انقلاب کے بعد ایران میں جہاں اہل سنت کی مختلف شعبوں، خصوصاً دینی ترقی اور شیوخ و دینی طلبہ، مدارس اور مساجد کی تعداد میں اضافہ قابل ذکر ہے، وہاں دین پر توجہ کے سلسلے میں جو عام پیشرفت ہوئی ہے اس میں اہل سنت کی دینی توجہات میں اضافہ بھی شامل ہے اور اس لحاظ سے بے شمار سنی مساجد کی تعمیر کے بعد ان کی تعداد میں بے حد اضافہ ہوا، چنانچہ دور حاضر میں دینی مناسبات کی سطح میں بلندی کا مشاہدہ کیا جاتا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ سنی مذہب کی عوامی سطح پر دین پر توجہ ہے اور یہ کہ حکومت اسلامی جمہوریہ ایران کی طرف سے سنی مساجد کی حوصلہ افزائی اور آرائش و زیبائش کرنے کا ایک سنہرا دور آ گیا ہے۔

آخر میں ہم امت اسلامی کے فرزندوں سے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ روئے زمین کے تمام خطوں میں نیکی اور تقویٰ کے سلسلے میں ایک دوسرے سے ہم آہنگی و تعاون اختیار کریں تاکہ اللہ کی راہ میں اسلامی اہداف کی طرف پیشرفت ہو سکے اور ان اہداف کا حصول صرف اخوت اسلامی، اور محبت اور وحدت ہی کے ذریعے امکان پذیر ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

☆☆☆

حرف حرف دھڑکتا ہوا، لفظ لفظ بولتا ہوا، بات بات من میں اترتی ہوئی

علامہ سید ریاض حسین شاہ

کی فکر قرآن سے منور اور عشق رسول ﷺ میں ڈوبی ہوئی روح پرور انقلاب انگیز تصانیف

خود پڑھیے دوسروں کو پڑھایئے

تبصرہ (سورہ یوسف، سورہ یس) — قرآن حکیم کی جمال آرا اور حکمت افروز تفسیر

معجم اصطلاحات — علمی وفنی اصطلاحات کا نادر مجموعہ

سنابل نور — مرشد الکریم حضرت لالہ جی محمد جمشید قدس سرۂ العزیز کی محافل نور کی حکایات مہر ومحبت

لوح و قلم تیرے ہیں — اسلامی انقلاب کے لئے سلگتے جذبوں کا تحریری اظہار

صبح زندگی — اخلاق اور روحانی زوال کی مہیب تاریکیوں میں ملت اسلامیہ کے لیے حیات جاوداں کا پیغام

صفیر انقلاب — خواب غفلت میں ڈوبے ہوئے افراد ملت کے لیے دعوت عمل

پروقار محبت عزت نواز عشق — حُبِّ رسول ﷺ کی جاں نواز کیفیات کی ایمان افروز تفصیل

سراغ زندگی — فلسفۂ عبادت پر ایک منفرد تحریر

حقیقت تقویٰ — تقویٰ کی کیفیتوں اور تقاضوں پر مشتمل ایک حسین تصنیف

میلاد النبی ﷺ بیان و برکت — علامہ ابن جوزی محدث کی مشہور کتاب "بیان المیلاد النبوی" کا سلیس اردو ترجمہ

- Philosphy of Taqwa
- Path to Efernity
- Dignified Love That Glorifies

- مفاہیم قرآن
- حسن السمت
- بار امانت
- معیار عمل
- ابو درداؓ
- عبد الرحمٰن بن عوفؓ
- مصعب الخیرؓ
- عباس بن عبد المطلبؓ
- صہیب بن سنانؓ
- بلال حبشیؓ
- سالم مولی ابی حذیفہؓ
- جعفر بن ابی طالبؓ
- ابو ایوب انصاریؓ

اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 35838038

ادارہ تعلیمات اسلامیہ، خیابان سرسید سیکٹر III، راولپنڈی۔ فون: 4831112

ادارہ تعلیمات اسلامیہ، مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد۔ فون: 8713691

عطیہ اشتہار • احمد سسٹمز • بھائی جان میڈیکوز

حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جانے والا ہوں۔ کتاب اللہ اسے مضبوط تھامے رکھنا اس لئے کہ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ دوسری میری اولاد ہے میرے گھر والے ہیں، میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں خدا یاد کراتا ہوں۔ اللہ کا خوف دلاتا ہوں، میرے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈرنا"۔

ایک دوسری حدیث شریف میں فرمایا:

"آئمہ قریش ہی سے ہوں"

تاریخ کے دھاگوں پر پڑی بوسیدہ گرہوں کو چھیڑنا نہیں چاہیے، البتہ یہ مسئلہ خوب سمجھنا چاہیے جیسے رحمتوں کے قبیلے ہوتے ہیں، ایسے ہی زحمتوں کے کنبے بھی ہوتے ہیں۔

شرافت کا کنبہ اپنا ہے

کم ظرفی اور ذلت کا قبیلہ اپنا ہے

یہ عجیب بات آپ محسوس فرمائیں گے کہ

حمزہ کا جگر چبانے والے۔۔۔۔

حضور ﷺ کی راہوں میں کانٹے بچھانے والی۔۔۔

عبداللہ بن زبیر کی برہنہ لاش کو سرعام سات دن تک لٹکائے رکھنے والے۔۔۔

کوفہ کی قبروں سے مردے نکال کر جلانے والے۔۔۔

میدان کربلا میں شہیدوں کی نعشوں پر گھوڑے دوڑانے والے۔۔۔

بصرہ کے منبر پر اہل بیت کی تعریف کرنے والے خطیب کی زبان نوچ کر پھینک دینے والے۔۔۔

مصر میں محمد بن ابی بکر کی کھال اتار کر

بیچ میں غلاظت بھرنے والے

سب ایک ہی کنبہ اور ایک ہی گھر کے افراد و فرید تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا عادتوں کے قبیلے بھی انڈے اور بچے دیتے ہیں۔ ہو نہ ہو حضور ﷺ نے اسی ضرورت کے تحت مسلمانوں کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ اپنی اولادوں کو آل محمد کی محبت سکھاؤ، تاکہ تمھاری نسلوں میں بھی رحمت اور اجالے سرایت کریں۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

- سید فضل حسین شاہ راولپنڈی • عبدالمجید مغل اسلام آباد • وزیر علی قریشی • طارق صدیق کھوکھر لاہور

ایک غلطی کی اصلاح ہونی چاہیے کہ قرآن موت بانٹنے والوں سے حیات اور زندگی کا اہتمام کرنے والوں کو زیادہ اہم سمجھتا ہے، اس لئے کہا گیا کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں زندگی دیتے ہیں۔ وہ لوگ جو کسی کی زندگی بچانے کے لئے خود موت کے تنور میں گھس جائیں سب سے بڑے بہادر وہی ہوتے ہیں۔ وہ کمانڈوز جنہوں نے جی ایچ کیو کے سامنے دوسروں کو بچانے کے لئے موت کا کھیل کھیلا ہے۔ عسکری قیادت کو سخاوت سے نشان حیدر بانٹنے چاہئیں۔ ان نشانات کو پتلون کی جیب میں رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اگر آج قدر افزائی نہیں ہوگی تو کل کون قربانی دے گا۔

گفتنی و نا گفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: عقیل صدیق کھوکھر

مسلمانوں کو ذلت اور تذلیل کے مکروہ پنجوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات فراموش کرنے ہوں گے۔ چھوٹوں اور بڑوں، کمزوروں اور طاقت وروں، حاکموں اور محکوموں اور مالداروں اور غریبوں سب ہی کو باہم مربوط ہونا ہوگا۔ ''مومن بھائی بھائی ہیں'' کے خاکے میں رنگ بھرنا ہوگا۔ دور حاضر کے تمام مسائل سے ہم ''اخوت'' کے وسیلہ سے نمٹ سکتے ہیں۔

گفتنی و نا گفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: ڈاکٹر محمد آصف

کوٹ لکھپت لاہور